136

منصب رسالت

تلخیص

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد پنجم

از

پروفیسر محبوب الٰہی پرنسپل جامعہ شرقیہ لاہور

و

آفتاب بیدار نجت ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل

پرنسپل دارالعلوم السنہ شرقیہ لاہور

ناشر

ملک نذیر احمد پروپرائیٹر۔ تاج بکڈپو۔ اردو بازار لاہور

قیمت -/2/8

اردو مرکز

محبت روڈ۔ لاہور

دلالا فرمایا۔

"اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اللہ
تو غنی ہے اور تم ہی محتاج ہو"

اس آیت سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ جسے انسان اپنا مال سمجھتا ہے وہ درحقیقت خدا کا ہے اور انسان خود خدا کا دست نگر ہے انسان کا یہ تصور کہ "یہ مال میرا ہے" یہ انانیت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے جسے اس آیت نے کھود کر پھینک دیا۔ پھر خدا نے ان مجازی مالکوں سے قیامت کو حساب کتاب لینے کا پہلے سے اعلان کر دیا، فرمایا "پھر اُس دن تم سے تمھاری نعمت کا حساب پوچھا جائے گا" ان لوگوں کو جو اپنے دولت کو سرمایۂ نجات تصور کرتے ہیں۔ تنبیہہ کی فرمایا۔

"بربادی ہو اس کی جو طعنہ دیتا اور عیب جوئی کرتا ہو، جو مال کو سَینت سَینت کر اور اس کو گن گن کر رکھتا ہو وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسکے ساتھ سدا رہے گا ہرگز نہیں"

سونا چاندی زمین میں گاڑ گاڑ کر رکھنے والوں کو خطاب کیا۔

"وہ لوگ جو سونا اور چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی "خوشخبری" دیدو"

اس آیت کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے، ایک جو سب

Marfat.com

کچھ خدا کی راہ میں دے ڈالنے کا قائل تھا دوسرا وہ جو مال کا حق واجب زکوٰۃ دینے کے بعد سرمایہ جمع کرنا موجب عذاب خیال نہیں کرتا تھا، لیکن اہل راز صحابہ نے اس گتھی کو سلجھا دیا۔

شریعت موسوی میں زکوٰۃ کے سوا اور کسی خیرات کا حکم نہ تھا جو اہل خیر کے حوصلہ سے کم چیز تھی۔ دوسری طرف عیسوی شریعت کا حکم سب کچھ لٹا کر خود فقیر ہو جانا تھا جو عملاً عام انسانوں کے حوصلہ سے بہت اونچا درجہ تھا، شریعت محمدی نے دونوں باتوں کو اس خوبی سے جمع کیا سب کے لئے قابل اور مفید تر صورت پیدا ہوگی۔ شریعت موسوی کے مطابق نقد پر نصف مثقال اور پیداوار پر عُشر بطور زکوٰۃ بدستور مقرر رکھا اور اسکے بعد دیگر خیرات و صدقات عام مسلمانوں کی مرضی پر رکھ دیے اور ان کی ترغیب اسقدر دی کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے کہ جو کل کے لیے اُٹھا کر رکھنا حرام سمجھتے تھے جیسے ابوذرؓ اور وہ بھی جو وقت پر اپنا سب کچھ راہ خدا میں دینے کے لیے تیار تھے جیسے ابوبکرؓ ایسے بھی جو اپنی تجارت کا کل سرمایہ راہ خدا میں دے ڈالیں جیسے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ایسے بھی جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کا پیٹ بھریں جیسے علی مرتضیٰؓ ان کی مدح میں خدا نے فرمایا۔

"اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود حاجتمند ہوں"

Marfat.com

غرض تعلیم محمدیؐ مختلف انسانی طبیعتوں کے موافق ہر ایک کے لیے نجات کا دروازہ کھولتی ہے تاکہ اہل حاجت کی عملی اور حقیقی امداد ہو سکتی ہے، وہ اہل ہمت کو بلند سے بلند روحانی معیار کی طرف دعوت دیتی ہے تاکہ باحوصلہ افراد شہپر ہمت سے اُڑ کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ سکیں۔

چنانچہ شیخ شرف الدین منیریؒ اپنے مکتوبات میں اس گروہ کا حال لکھتے ہیں "اس فرقہ نے اپنی جان و مال کو ہار دیا ہے اور خدا کے سوا کسی سے دل نہیں لگایا، اُن کا مقولہ ہے کہ درویش وہ ہے جس کا مال وقف اور خون معاف ہو اس کو اپنی جان و مال پر کوئی دعویٰ نہ ہو۔۔۔ دنیا کی نعمت پر زکوٰۃ بھی اس گروہ کے نزدیک بخیلی ہے۔ کیونکہ دو سو درم کو ایک سال تک بند رکھنا پڑتا ہے جب جاکر پانچ درم خدا کی راہ میں دیے جاتے ہیں"۔

اس کے بعد حضرت شبلیؒ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

"کسی فقیہہ نے حضرت شبلیؒ سے امتحاناً زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا فرمایا فقہا کے مسلک پر جواب چاہتے ہو یا فقرا کے؟ کہا دونوں کے، فرمایا فقہا کے نزدیک سال گذرنے پر دو سو درم میں سے پانچ درم اور فقرا کے مسلک پر دو سو کے دو سو پورے اور اس پر مزید شکرانہ میں اپنی جان بھی، فقیہ نے کہا کہ ہم نے یہ مذہب آئمہ دین سے حاصل کیا ہے۔ شبلی نے کہا ہم نے یہ مسلک صدیق اکبر سے

حاصل کیا ہے کہ جو کچھ تھا سب حضور کے سامنے رکھ دیا اور اپنی جگر گوشہ (حضرت عائشہ صدیقہؓ) کو شکرانہ میں دیا"۔

خود حضورؐ کی زندگی بھی اسی دوسرے گروہ کی تائید کرتی ہے۔ کہ گھر میں چاندی کے چند خزف ریزے بھی پڑے رہتے تو گھر میں آرام نہ فرماتے تھے، مگر عام امت کی سہولت کے لیے اپنا ذاتی مسلک امت پر فرض قرار نہیں دیا۔

سوالات

(۱) عبادات میں زکوٰۃ کو اہمیت کے لحاظ سے کیا درجہ حاصل ہے

(۲) اسلام اور دیگر مذاہب کے نظریوں کے لحاظ سے زکوٰۃ پر ایک جامع نوٹ لکھو۔

(۳) زکوٰۃ کی ابتدا اور اس کی تدریجی تکمیل پر روشنی ڈالو ضروری حوالہ جات نظر انداز نہ ہونے پائیں۔

(۴) زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مدت کیوں متعین کی گئی؟

(۵) زکوٰۃ کی مقدار کے بارے میں اسلامی و دیگر مذاہب کے نقطہائے خیال میں کیا تفاوت ہے

(۶) زمین، جانور، نقد اور مال تجارت کی زکوٰۃ کے بارے میں مختصر اور جامع معلومات نوٹ لکھو۔

Marfat.com

(۷) زکوٰۃ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ اسلام سے پیشتر کیا صورت حال تھی اور اسلام نے اس میں کیا کیا اصلاحات کیں۔

(۸) اگر زکوٰۃ کے مستحقین میں دو شخص یکساں درجہ کے ضرورتمند ہوں تو ترجیح کس کو دیجائے گی اور کس بنا پر۔

(۹) ثابت کرو کہ اسلامی زکوٰۃ کے سسٹم نے غلامی کے انسداد میں مدد دی۔

(۱۰) سود اور صدقہ میں وجہ فرق بیان کرو۔

(۱۱) دولت مندی اور ذخیر اندوزی کی بیماری کا علاج دیگر مذاہب نے اور اسلام نے کس قدر طریقہ پر کیا اور کونسا طریقہ کامیاب رہا۔

Marfat.com

زکوٰۃ کے مزید فوائد

اشتراکیت کا علاج دنیا میں مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ہمیشہ سے قائم ہے۔ جس کی جڑ دولت کی غیر مساوی تقسیم ہے، کسی کو روپیہ رکھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی اور کسی کو روٹی کا سوکھا ٹکڑا اور سونے کو بالشت بھر زمین میسر نہیں، دولت مند سمجھتا ہے کہ یہ دولت خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میری کوشش کا نتیجہ ہے، اس لیے اس میں سست اور ناکارہ لوگوں کا کوئی حصّہ نہیں۔ چنانچہ قارون کو جب حکم زکوٰۃ دیا گیا تو اُس نے یہی جواب دیا تھا۔

"مجھ کو تو ایک ہنر سے، جو میرے پاس ہے، یہ سب کچھ ملا ہے"

ہر زمانہ کے قارونوں کا یہی تصور و اعتقاد رہا ہے چنانچہ یونان کے آخری دور اور ایران کے انتہائی زمانہ میں یہی شکل نمودار ہوئی۔ اور آج یورپ کی موجودہ فضا میں یہی آب و ہوا اقتصادی مشکلات کا سیلاب بپا کر رہی ہے۔ اسی وجہ سے سوشلزم کمیونزم وغیرہ کے طوفان اُٹھ رہے ہیں۔ لیکن مساوات و برابری کے یہ خاکے بنانے والے جو نقشے بنا رہے ہیں وہ طبع انسانی کے اس درجہ مخالف ہیں

Marfat.com

کہ ان کی دائمی کامیابی مشکوک ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اسکے حل کرنے کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ ذاتی ملکیت کے جواز کے ساتھ جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے دولت کو چند ہاتھوں میں جانے سے روک دیا ہے، سود کی حرمت، وراثت کی تقسیم، جمہوری نظام حکومت، پرانے نظام زمینداری جس میں کاشتکار ایک غلام کی حیثیت رکھتا تھا، اس کی تنسیخ اور نئے اجیرانہ نظام کا قیام اور عام نفع کی چیزوں کو ملکیت عام قرار دینا اسی سلسلہ کے کامیاب قدم ہیں۔ بجائے اسکے سرمایہ داروں کا سرمایہ چھین کر سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے یہ کیا کہ ہر معتدبہ سرمایہ دار پر سالانہ زکوٰۃ واجب قرار دے کر غربا کو ان کے سرمایہ میں لازمی شرکت دلائی، ضرورت پوری ہونے کے بعد جو بچ رہے اس کو صدقات میں خرچ کرنے کی تلقین و ترغیب دی یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے اسلام کا دور تمدن مصیبتوں سے محفوظ رہا۔ اور آج بھی اسلامی ممالک اس سے محفوظ ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں شام میں حضرت ابوذر غفاری نے سونا چاندی گاڑ کر رکھنے کی قرآن میں مذمت آنے کے باعث یہ فتویٰ دیا کہ دولت کا جمع کرنا حرام ہے، ضرورت سے جو بچے ہر شخص کو راہ خدا میں دیدینا چاہیے دوسرے دولتمند

صحابہ نے کہا کہ ہم راہ خدا میں دے کر بچاتے ہیں۔ اس لیے یہ فتویٰ نہ مقبول عام ہوا اور نہ عوام میں اس سے کوئی فتنہ پیدا ہو سکا کیونکہ زکوٰۃ کا قانون پورے نظام کے ساتھ جاری تھا، بلکہ یہ آرام و آسائش عرب کا وہ زمانہ تھا کہ کوئی خیرات قبول کرنے والا نہ رہا تھا۔

اقتصادی اور تجارتی فائدے

زکوٰۃ میں اقتصادی اور تجارتی فائدے بھی ہیں۔ پہلے گذرا کہ زکوٰۃ انہی چیزوں میں واجب ہوتی جن میں دو صفتیں ہوں، یعنی بقا اور نمو کیونکہ جو چیز مدت تک باقی نہیں رہتی وہ دوسروں کے استعمال کے لیے ذخیرہ نہیں کی جا سکتی، اسی لیے سبزیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح جس چیز میں افزائش نہیں ہو سکتی جیسے جواہرات قیمتی پتھر یا غیر مزروعہ زمین اور مکان ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔ ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ فرض کرنے سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے سرمایہ کو بند نہ پڑا رہنے دیں بلکہ اس کو تجارت و زراعت میں لگا کر بڑھائیں، ورنہ زکوٰۃ کی وجہ سے سال بہ سال سرمایہ میں کمی ہوتی چلی جائے گی جس کو فطرۃً کوئی برداشت نہیں کر سکتا، اسی لیے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ایک سال مدت مقرر کی تاکہ ہر شخص اپنے سرمایہ کو تجارت و زراعت میں لگا کر بڑھائے چنانچہ صحابہ کرام اس نکتہ کو سمجھ کر ہمیشہ تجارت و کاروبار میں مصروف رہتے تھے۔

Marfat.com

فقرا کی اصلاح فقرا کا گروہ ہمیشہ دنیا کے تمام اہل مذاہب کے نزدیک قابل رحم رہا ہے۔ مگر پہلے تمام مذاہب کی ہمدردی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پھوڑا ہو اور اس کا دوست اس کی حفاظت کرے کہ کہیں ٹھیس لگ کر ٹوٹ نہ جائے اور جراح کے نشتر سے اس لیے بچاتا ہو کہ اس کے چیرنے سے اس کو تکلیف ہوگی، کیا یہ نادان دوست واقعی دوست ہے؟

غرض اس بارے میں دوسرے مذاہب نے افراط و تفراط سے کام لیا۔ چنانچہ زردشتی مذہب میں سوال کرنا قطعاً ممنوع قرار دیا گیا اس کے بالمقابل بودھ مت میں بھکشوؤں کا ایک مذہبی گروہ بھیک مانگنے کے لیے پیدا کیا گیا، لیکن اسلام نے نہایت حکمت سے اس پھوڑے کا علاج کرنے کے لیے ماہر جراح کی طرح دونوں کام کیے ہیں اس نے اس میں نشتر بھی لگایا ہے اور مرہم بھی رکھا ہے، مرہم وہ مہربانیاں، تسلیاں اور عملی امدادیں ہیں جو غریب کے دل کی ڈھارس اور اس کی امیدوں کا سہارا ہیں، اور نشتر وہ اصلاحات ہیں جو اس کی پست ہمتی، لالچ اور دست نگری کو دور کرنے کے لیے جاری کیں کیونکہ اگر مالداروں کو ایک طرف خیرات کی ترغیب دی جائے تو دوسری طرف اس کی نگرانی بھی ضروری ہے کہ غریب طبقہ گداگری کا عادی نہ بن جائے، اصلاح حال دونوں کی منظور ہونی چاہیے، چنانچہ پیغمبر اسلام کی نظر میں امیر و غریب اور مسکین و دولتمند دونوں

یکساں ہیں، اس لیے آپ نے کسی ایک ہی طبقہ کی اصلاح کا فرض انجام نہیں دیا بلکہ دونوں طبقوں کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ کر برابر وزن سے تولا ہے۔ داعی اسلام نے دونوں کے سامنے خدا کی بتائی ہوئی تعلیم پیش کی اور دونوں کو اپنی اپنی شرافت جوہر کو پیش کرنے اور نقائص کو دور کرنے کی صورت سمجھائی ایک طرف اگر امرار سے خطاب کیا کہ

"مانگنے والے کو جھڑکی نہ دے" تو دوسری طرف خود دار غربا کی مدح یوں فرمائی کہ "ناواقف ان کی خود داری اور سوال کی ذلت سے بچنے کے سبب سے ان کو دولت مند سمجھتا ہے . . . . وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے"

بھیک مانگنے کو خلاف تقوے قرار دیا بھیک مانگ مانگ حج کرنے والوں کو خطاب کر کے کہا۔

"اور زاد راہ لے کر چلو کہ بہترین زاد راہ تقوی (بھیک نہ مانگنا) ہے۔ ایک طرف دولت مند سے کہا کہ مانگنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ اگرچہ چھوارے کی ایک پھانک ہی کیوں نہ ہو وہی دے دو تو دوسری طرف فقیروں کو فرمایا کہ "خود داری کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے" یہ ہے وہ تعلیم جس نے دونوں طبقوں کو اپنے فیض سے مالا مال کر دیا۔

Marfat.com

صدقات کو دینے والوں کے قلوب کے تمام میل کچیل کو صاف کرنے والا کہا۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ صدقہ تو لوگوں کا میل ہے" اس سے اسطرف اشارہ ہے کہ فقرا کو شدید حاجت میں کوئی جب کوئی اور صورت معاش کی نہ ہو اُسی وقت اس کو قبول کرنا چاہیئے ورنہ غیر مستحق فقرا جو اِس میل سے جو زکوٰۃ دینے والوں کے دامن سے چھوٹا ہے اپنے دامن دل کو نجس بنالیں گے، جس سے ان میں بے حیائی بے غیرتی، حرص، طمع غرض ہر قسم کی بُرائی پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے اور مجبوری کے عالم میں قبول کر لینے کے بعد بُرے اخلاق وعادات سے بچانے کے لیے حسب ذیل مفید تدابیر بتائی ہیں

(۱) صدقہ وزکوٰۃ محض لوجہ اللہ ہو لینے والے پر کسی قسم کا احسان نہ دھرا جائے۔ قرآن میں ہے۔

"ہم تم کو خدا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہیئے"

پھر صدقہ دینے والے کو بتا دیا کہ احسان دھرنا ان کے اس عظیم الشان کارنامہ کو باطل کر دے گا۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ — اپنے صدقات کو احسان دھر کر اور تکلیف دے کر برباد نہ کرو۔

نیز فرمایا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى — کچھ نرمی کی بات کہہ کر اور چشم پوشی کر کے سائل کو ٹال دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد طعنہ دیا جائے یا احسان جتایا جائے۔

Marfat.com

اسلام نے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے بیت المال میں جمع کرنے کا جو طریقہ رائج کیا ہے منجملہ اور اسباب کے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح غریب لینے والا دوسرے شخص کا مرہون منت ہو کر ذلت محسوس نہ کرے گا، امیر جماعت حسب ضرورت مستحقین کو بانٹ دے گا۔ اور اس طرح پوری قوم کا معیار اخلاق بلند رہے گا۔

(۲) اسی لیے صدقہ کو چھپا کر دینے کا حکم ہے کہ اعلانیہ دینے سے سائل بے حیائی اور بے غیرتی کا عادی ہو جاتا ہے اس طرح یہ اظہار و اعلان گداگری کا موجب بن جائے گا، پھر چھپا کر دینے میں دینے والا بھی نمائش و ریاکاری سے محفوظ رہتا ہے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا "بہتر صدقہ وہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو"۔ ہاں دوسروں کو ترغیب دلانے کے مواقع پر اظہار صدقات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اس کو قرآن نے ان الفاظ میں ظاہر کیا۔

"اگر تم صدقہ کھلم کھلا دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر فقرا کو دو تو یہ تمھارے لیے بہت ہی اچھا ہے"۔

مفسرین نے اس اخفا کو عام خیرات کے لیے مخصوص کیا ہے اور زکوٰۃ میں ترغیب و تشویق اور عدم ادائیگی کی تہمت سے محفوظ رہنے کے لیے اعلان کو مستحسن قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ زکوٰۃ کا اصل طریقہ بیت المال میں جمع کرا دینا ہے اس لیے اخفا کا مقصد اس سے حاصل ہو جاتا ہے۔ خواہ بیت المال میں جمع کرنا علی الاعلان ہو لیکن آیت کا

Marfat.com

اشارہ، اِس طرف ہے کہ تم خود فقرا کو دو تو چھپا کر دو اس میں زکوٰۃ اور عام صدقات برابر ہیں۔ مگر آج اسکے برعکس حالت یہ ہے کہ معمولی سے معمولی رقم کے لیے جب تک اخباروں کے پورے کالم سیاہ نہ کر دیے جائیں تو دینے والوں کے نزدیک خدا کو ان کے عطیہ کی خبر ہی نہیں ہوتی

(۳) اخلاق اور تمدنی ترقی کا مدار عالی حوصلگی پر ہے اس لیے اسلام نے حکم دیا کہ زکوٰۃ میں مال کا عمدہ اور بہتر حصہ دیا جائے تاکہ دینے والے کی دنائت نفس ظاہر ہو اور نہ لینے والے میں گلی سڑی چیز لے کر دنائت نفس پیدا ہو اسی لیے اصحاب صفہ کے لیے جو بعض لوگ بدمزہ کھجوروں کے خوشے مسجدوں میں لٹکا دیتے تھے اور وہ بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر ان میں سے دو چار کھجوریں کھا لیتے تھے ان کو اس ذلیل حرکت پر تنبیہہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی "اے ایمان والو! اپنی کمائی سے اور اس چیز سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے بہتر حصہ خیرات کرو، اور ان میں سے ردی مال کی خیرات کا قصد نہ کرو حالانکہ وہی اگر تمھیں دیا جائے تو تم نہ لوگے لیکن یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور یقین کرو کہ خدا تمہاری اس قسم کی خیرات سے بے نیاز ہے اور وہ خوبیوں والا ہے"

(۴) فقرا کی دنائت اور حرص و طمع کے زائل کرنے کے لیے اسلام نے بہترین طریقہ یہ اختیار کیا کہ خود دار اور مستور الحال حاجتمندوں کو زکوٰۃ و صدقہ کا حقیقی مستحق قرار دیا کیونکہ اس صورت میں دوسرے

Marfat.com

فقرا بھی ان کی تقلید پر مجبور ہوں گے اسی لیے قرآن میں ہے کہ "صدقہ ان فقرا کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں (معاش کے لیے) زمین میں سفر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، جو لوگ اُن سے ناواقف ہیں، خود داری اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مالدار سمجھتے ہیں، تم صرف اُن کے لُشروں سے اُن کو پہچانتے ہو وہ لوگوں سے گڑگڑا کر کچھ نہیں مانگتے"

(۵) گداگری فی نفسہ ایک مبتذل شیوہ ہے گو نہایت سخت مجبوری پر اسلام نے سوال کی اجازت دی ہے مگر حتی الامکان لوگوں کو ہر حال میں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت میں بعض لوگوں سے یہ عہد کراتے تھے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے۔ اس شدت کا یہ اثر ہوا کہ کسی کا کوڑا راستہ میں گر جاتا تھا تو وہ کسی سے یہ بھی نہ کہتا تھا کہ اُٹھا دو ایک دفعہ حضورؐ نے کسی سے کچھ نہ مانگنے کی ضمانت پر جنت کی بشارت سنانے کا وعدہ فرمایا تو آپ کے آزاد کردہ غلام ثوبانؓ بولے میں یہ ضمانت کرتا ہوں چنانچہ اس کے بعد انہوں نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔

حکیم بن حزامؓ نامی ایک صحابی نے حضور سے بار بار مال مانگا اس پر حضور نے فرمایا "اے حکیم مال بظاہر نہایت شیریں اور خوش رنگ ہے، جو اس کو شرافت سے لے گا اس کو برکت دی جائے گی،

اور جو لالچ سے لے گا اس کو برکت نہ ملے گی ۔۔۔۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے" حکیمؓ نے کہا یا رسول اللہ آج سے میں کسی سے کچھ نہ مانگوں گا ۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے زمانہ میں بُلائے جانے پر بھی اپنا وظیفہ لینے نہ جاتے تھے اور آخر تک اسی انکار پر قائم رہے ۔

مالدار اور روزی کمانے پر قادر لوگوں کے لیے صدقات دینے لینے کی سخت ممانعت کی گئی ۔ حضور نے فرمایا "مالدار اور صحیح و سالم آدمی کے لیے صدقہ حلال نہیں ۔ نیز فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں کسی کا رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑی کا بوجھ اُٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ دوسرے سے بھیک مانگے، وہ اُسے دے یا نہ دے"

ایک دفعہ ایک غریب صحابی نے خیرات مانگی تو حضور نے فرمایا کہ "تمہارے پاس کچھ ہے" عرض کی "ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ" آپ نے ان کو نیلام کر کے ان کی قیمت سے ایک کلہاڑی خرید دی کہ "جنگل سے لکڑی کاٹ لاؤ اور اُسے بیچو"

(۶) جو لوگ کسب معاش کرنے سے معذور ہیں ان کو بھی الحاح اور کثرت سوال سے بشدت روکا ، حضور نے فرمایا "مسکین وُہ نہیں جس کو لقمہ دو لقمے دروازوں سے واپس لوٹا دیتے ہیں مسکین وُہ ہے، جو گو بے نیاز نہیں لیکن حیا کرتا ہے اور لوگوں سے گڑگڑ

کر نہیں مانگتا۔

سوال کی بے غیرتی اور بے حیائی کی سزا یہ بتائی کہ قیامت میں اس قسم کے عادی بھکاری کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

غرض ان اصلاحات کے ساتھ اسلام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کرکے تمام برائیوں کا سدباب کر دیا حضورؐ کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولتمند صحابہ میں فیاضی آگئی اور غریب صحابیوں میں قناعت اور خودداری پیدا ہوگئی۔ دولت مند اپنی زکوٰۃ لے کر خود بیت المال کے دروازہ پر آتے تھے اور غریب اپنی حاجت کو خدا کے سوا کسی کے سامنے نہ لیجاتے تھے حتیٰ کہ حضورؐ کے عہد کے بعد جب فراغت کا دور آیا تو بیت المال میں اتنا سرمایہ رہتا تھا کہ زکوٰۃ کے کسی مستحق کے لیے کمی محسوس نہیں ہوتی تھی، ضرورتمندوں کو اس رقم سے قرض بھی دیا جاتا تھا اور سود کی لعنت کے بغیر اس طرح قرض کے لین دین کا راستہ کھلا ہوا تھا۔

سوالات

(۱) ثابت کرو کہ اسلامی زکوٰۃ اشتراکیت کی پھیلی ہوئی دبا کا صحیح علاج ہے۔

(۲) فقراء کے گروہ کی اصلاح کا کام کس مذہب نے باحسن وجوہ

Marfat.com

انجام دیا۔ اس سلسلہ میں اسلام کا مطمح نظر واضح کرو۔
(۳) زکوٰۃ و خیرات لینے سے فقراء کے گروہ میں جو بُری عادتیں حرص و طمع اور پست فطرتی پیدا ہونے کا اندیشہ قوی ہے ان سے بچاؤ کی اسلام نے کیا تدابیر اختیار کیں۔
(۴) سوال کی مذمت کے بارے حضور کا وہ قول جو حکیم بن حزام صحابی سے آپ نے فرمایا نقل کرو اور بتاؤ اس کا اثر صحابی موصوف پر کیا ہوا۔

Marfat.com

روزہ

خدا کا فرمان ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں)

روزہ کا مفہوم روزہ عبادات کا تیسرا رکن ہے۔ عربی میں اس کا نام "صوم" ہے۔ جس کے معنی رُکنے اور چپ رہنے کے ہیں۔ قرآن نے اس کو "صبر" کے نام سے بھی یاد کیا ہے جس کے معنی ضبط نفس اور ثابت قدمی کے ہیں، ہوا و ہوس نفسانی سے رُکنا اور حرص و ہوس کے مواقع پر ثابت قدم رہنا یہی روزہ کی حقیقت ہے۔ انسانی خواہش کے عام مظاہر تین ہیں، کھانا، پینا اور عورت، ایک معین وقت کے لیے انہی تینوں سے باز رہنے کا شرعی نام روزہ ہے۔ خواص کے نزدیک باطنی خواہشات سے بچنا بھی روزہ کی حقیقت میں داخل ہے۔

روزہ کی ابتدا روزہ کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں انگلستان کے حکیم ہربرٹ اسپنسر کا قیاس ہے کہ "روزہ کی ابتدا یوں ہوئی ہوگی کہ لوگ وحشت کے زمانہ میں بھوکے رہتے ہوں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ ہمارے بدلہ کا کھانا اس طرح مُردوں

Marfat.com

کو پہنچ جاتا ہے"، لیکن اہل عقل کے نزدیک اس قیاس کی کوئی قیمت نہیں۔

مشرکانہ مذاہب میں روزہ کے اسباب کچھ بھی ہوں مگر اسلام کے روزہ کے بارے خود اس کا اعلان یہ ہے۔

"مسلمانو! تم پر اسی طرح روزے فرض ہوئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر تاکہ تم پرہیزگار بنو، اور رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جو انسانوں کے لیے سرتاپا ہدایت، ہدایت کی دلیل اور حق و باطل میں فارق بن کر آیا تو جو اس رمضان پائے وہ اس مہینہ کے روزے رکھے"

ان آیتوں سے روزہ کی ابتدا، روزہ کی حقیقت، رمضان کی ماہیت اور روزہ پر اعتراض کا جواب ان تمام امور پر روشنی پڑتی ہے آئندہ اسی کی تفصیل آئے گی۔

روزہ کی مذہبی تاریخ آیات بالا سے روزہ کا دوسرے مذاہب میں وجود ظاہر ہے اس دعویٰ کی تصدیق میں مستند حوالہ درج ذیل ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں روزہ (فاسٹنگ) کا مضمون نگار لکھتا ہے۔

"روزہ کے اصول اور طریقے گو مختلف ہیں لیکن بہ مشکل مجموعی کوئی مذہب ایسا ہوگا جسمیں روزہ مطلقاً تسلیم نہ کیا گیا ہو"

Marfat.com

آگے چل کر لکھتا ہے۔

"روزہ ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے ہر جگہ موجود ہے"

ہندوستان جو قدامت کا مدعی ہے اس میں برہمنوں پر اکادشی کا روزہ ہر مہینہ کی گیارہ بارہ کو فرض ہے اس طرح سال کے چوبیس روزے ہوئے، جینی دھرم میں روزے کے سخت شرائط ہیں، چالیس چالیس دن کا ایک روزہ ہوتا ہے۔ قدیم مصریوں میں روزہ مذہبی تہواروں میں شامل نظر آتا ہے، یونان میں صرف عورتیں تھسموفیریا کی تیسری تاریخ کو روزہ رکھتی تھیں۔ پارسی مذہب گو عوام کے لیے نہ سہی، مگر مذہبی پیشواؤں کے لیے روزہ ضروری تھا۔

یہود حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر چالیس روز بھوکے رہنے کے اتباع میں چالیس دن روزے رکھنا اچھا خیال کرتے تھے لیکن چالیسواں روزہ فرض سمجھا جاتا تھا جو ماہ تشرین کی دسویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ عیسائی مذہب میں بھی روزہ کا وجود ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے چالیس دن تک جنگل میں روزہ رکھا۔ اُن سے قبل حضرت یحییٰؑ روزہ رکھتے تھے اور ان کی امت بھی روزہ دار تھی۔

اہل عرب بھی اسلام سے پیشتر روزہ سے واقف تھے قریش مکہ محرم کی دسویں تاریخ یوم عاشورا کو روزہ رکھتے تھے۔ مدینہ کے یہود اپنا عاشورا اپنے ساتویں مہینہ تشرین کی دسویں تاریخ

کو الگ مناتے تھے۔

روزہ کی حقیقت انسان کے ہر عمل اور اسکے بدن ایک ایک عضو کی حرکت کی تہ میں کوئی نہ کوئی نفسانی غرض ہوتی ہے اور اس کی بدبختی اور ناکامی کی اصل وجہ یہ نفسانی غرض ہی ہوتی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی ضرورتوں کے اغراض و مقاصد کے لامتناہی سلسلہ کی حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خود ساختہ ضرورتوں اور دنیوی تمناؤں کا ایک انبوہ ہے جنکے بغیر بھی انسانی زندگی پُر مسرت گذر سکتی ہے جیسے کہ ابراہیم ادھم کے متعلق مشہور ہے کہ بادشاہ چھوڑ کر بھی اُنہوں نے پر مسرت زندگی بسر کی۔

ان خود ساختہ ضرورتوں کی نفی کے بعد انسان کی حقیقی ضرورتیں صرف دو رہ جاتی ہیں یعنی کھانا اور پینا جسکے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر اس کے لیے چند سادہ نعمتے اور پانی کے چند گھونٹ بھی کافی ہیں، اس میں افراط و وسعت نفس اور تعیش کا نتیجہ ہے انسان کے تمام گناہوں کی فہرست تیار کی جائے تو بیشتر انہی دو چیزوں میں افراط کا نتیجہ ہوں گے۔

اس بنا پر ہر مذہب نے اکل و شرب (کھانے پینے) کچھ پابندیاں عائد کی ہیں تاکہ انسان اپنی ان ضرورتوں کا دائرہ کم کرے لیکن چونکہ انسان انسان رہتے ہوئے اس سے بالکل بے

Marfat.com

نہیں ہوسکتا اس لیے تمام مذاہب نے اس سے اجتناب و بے نیازی کی ایک حد معین کردی ہے تاکہ انسان اپنی ضروریات سے مستغنی ہوکر تھوڑی دیر کے لیے ملاء اعلیٰ کی مقدس مخلوقات میں داخل ہوسکے اور اس مدت میں ان کی طرح اپنی زندگی کا مقصد خدا کی اطاعت و عبادت کو سمجھے۔

قرآن نے اس پوری حقیقت کو ایک لفظ "تقویٰ" سے بے نقاب کردیا ہے پس معلوم ہوا کہ اسلامی روزہ کی غرض و غایت تقویٰ ہے یعنی خواہشات پر قابو رکھنا اور جذبات کی رَو میں بہ نہ جانا۔ آگے چل کر قرآن نے روزہ کی دو اور مخصوص حکمتوں کو واضح کیا ہے، فرمایا۔

لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔

"تاکہ خدا نے جو تم کو راہ دکھائی ہے اس پر تم اس کی بڑائی بیان کرو اور شکر ادا کرو۔

اس کی وضاحت کے لیے رمضان کی ماہیت کا سمجھنا ضروری ہے۔

رمضان کی ماہیت

قدرت نے عالم مادی کی طرح عالم روحانی میں سلسلہ علل و اسباب رکھا ہے جس طرح طبیب جسمانی ظاہر کو جسم کے لیے مہلک بتاتا ہے اسی طرح طبیب روحانی گناہ کو مہلک روح ٹھہراتا ہے پس روحانی تربیتوں اور نبی

Marfat.com

کے کمال نبوت تک پہنچنے کی استعدادوں کا روحانی سلسلہ بھی ایک مرتب و منظم سلسلہ ہے۔ قران میں تیرہ ۱۳ مقام پر "سنۃ اللہ" کا لفظ آیا ہے جن میں سے بیشتر جگہ اسی روحانی نظام کی طرف اشارہ ہے

پیغمبرانہ تاریخ بتاتی ہے کہ نبی کمال انسانیت پر پہنچنے کے بعد جب فیضان نبوت کے قبول و استعداد کا انتظار کرتا ہے تو وہ عالم انسانی سے الگ ہو کر کچھ عرصہ کے لیے ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب توراۃ لینے طور پر گئے تو چالیس روز بھوکے پیاسے رہے، حضرت عیسیٰؑ اس سے پیشتر کہ ان کے منہ میں انجیل کی زبان گویا ہو چالیس شب و روز بھوکے رہے اسی طرح دنیا کے آخری پیغمبرؐ نزول قران سے پہلے پورے ایک مہینہ غار حرا میں ہر قسم کی عبادتوں میں مصروف رہے اور اسی اثنا میں پہلی وحی اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کا مژدہ لے کر نمودار ہوئے۔ یہ مہینہ رمضان کا .... اور یہ رات مبارک شب قدر تھی، پس یہ مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں حضورؐ کو عالمگیر رہنمائی کے لیے دستور نامۂ الٰہی کا پہلا صفحہ عنایت کیا گیا۔ ان دنوں میں حضورؐ مکہ و تنہا غار حرا میں بھوکے پیاسے خدا کے سامنے سربزانو تھے اس لیے اس ماہ میں روزہ اور کسی مسجد کے گوشہ میں اعتکاف اور نزول وحی کی رات یعنی لیلۃ القدر میں بیدار اور سربسجود رہنا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری تھا۔

Marfat.com

فرضیّت روزہ کا مناسب موقع ۲ھ میں روزہ فرض ہُوا کیونکہ یہی زمانہ مسلمانوں کے امن و اطمینان کا تھا اور اسلامی فتوحات کے شروع ہو جانے کی وجہ سے دنیاوی لذائذ کا سامان فراہم ہونے لگا، مکّہ کی زندگی میں نہ امن و اطمینان حاصل تھا اور ساز و سامان دنیوی اس لیے دنیا کی شیفتگی اور لذات حسّی میں مشغول ہونے کا خدشہ ہی نہ تھا اب ہجرت کے بعد مدینہ میں جب وہ وقت عنقریب آنے والا تھا کہ دنیا اصلی صورت میں جلوہ گر ہو کر مسلمانوں کو اپنا فریفتہ بنائے تو گویا یہ تداخل فصلین کی طرح امراض کے پیدا ہو جانے کا زمانہ تھا جس کی احتیاط کے لیے روزہ فرض ہُوا ورنہ جسمانی ریاضت اگر مقصود نظر ہوتی تو روزہ نماز سے پہلے فرض ہوتا علامہ ابن قیّم زاد المعاد میں لکھا ہے کہ مرغوبات شہوانیہ کا ترک کرنا نہایت مشکل کام تھا اس لیے روزہ وسط اسلام میں فرض ہُوا جبکہ لوگ توحید، نماز اور احکام قرآنی کے خوگر ہو چکے تھے اس لیے یہ اضافہ عبادت اسی وقت کے لیے موزوں تھا۔

ایام روزہ کی تعیین روزہ ایک قسم کی دوا ہے اور دوا کو بقدر دوا ہی ہونا چاہیے، اگر روزہ کو روزانہ کی عبادت بنا دیا جاتا تو جسمانی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا اور شگفتگی مزاج مٹ جانے کی وجہ سے دوسری عبادات کا اثر بھی جاتا رہتا اس لیے اسلام نے سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک مہینہ اس کے لیے مقرر

Marfat.com

کیا اور اس کے لیے اُس مہینہ کو منتخب کیا جس میں قران اُترنا شروع ہُوا تھا یعنی رمضان پھر روزہ چونکہ ایک مشقت کی چیز تھی اس لیے قران میں اس کی فرضیت کا اعلان نہایت بلاغت سے تدریجی طور پر کیا گیا۔ روزہ کی فرضیت کا اظہار کرکے ساتھ ہی تشفی کے لیے کہہ دیا کہ تم سے اگلوں پر روزے فرض تھے، مدت کا ابھی ذکر نہیں کیا بعد میں "چند گنے چنے دن" کہہ کر اس کو ہلکا بنایا، اس کے بعد کچھ سہولتیں دینے کا اظہار کیا کہ "اگر کوئی مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے گنتی کے دنوں میں روزے رکھ لے"، اس انداز سے یہ معلوم ہو گیا کہ روزہ کی فرضیت کسی خاص زمانہ سے مخصوص ہوگی۔ اتنی تمہیدوں کے بعد روزے کے ایام مقرر کیے جاتے ہیں اور پہلے ماہ رمضان کی فضیلت اس طرح بیان کر دی جاتی ہے کہ یہ وہی مہینہ ہے جس میں قران نازل ہُوا اس کے بعد فرمایا "تو جو اس مہینہ کو پائے وہ اس مہینہ بھر کے روزے رکھے" یعنی روزوں کا آغاز اس ماہ کے آغاز اور اختتام اس کے اختتام پر ہوگا، خواہ مہینہ ۲۹ دن کا ہو ۳۰ دن کا جیسا کہ قمری مہینوں میں ہوتا ہے اور عرب میں یہی مہینے رائج تھے۔

ایک نکتہ قران کے الفاظ یہ ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ تو جو شخص اس مہینہ کو پائے وہ اس مہینہ بھر کے روزے رکھے۔

Marfat.com

شَہِدَ کے معنی حاضر و موجود ہونے کے ہیں۔ یعنی روزے اُسی پر فرض ہیں جو اس مہینہ میں موجود ہو اسکے بالمقابل دو صورتیں ہیں یعنی ماہ صیام آنے اور آدمی موجود نہ ہو مر چکا ہو یا ماہ صیام کا وہاں گذر نہ ہو جہاں آدمی موجود ہے جیسے تین کے بعض حصے جہاں کئی مہینے کا دن اور کئی مہینے کی رات ہوتی ہے ان دونوں صورتوں میں روزہ کی فرضیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہاں اگر لوگ خود چاہیں تو دوسری ملکوں کی جنتری کے مطابق دن کے گھنٹے متعین کر کے روزہ رکھ اور کھول لیں اس کی اجازت ہے۔

اسی طرح وہ ملک جہاں بیس بیس گھنٹہ کا دن ہوتا ہے تو وہاں لوگ اگر برداشت نہیں کر سکتے تو اس آیت پر عمل کر سکتے ہیں۔

"اور جو بمشکل روزہ رکھ سکیں ان پر ایک مسکین کا کھانا ہے"

روزہ پر اعتراض اور اسکا جواب اعتراض یہ ہے کہ یہ تو وحشی انسانوں کا تخیل ہے کہ خدا ہماری جسمانی تکلیف اٹھانے سے خوش ہوتا ہے اور روزہ بھی جسمانی زحمت کشی ہے، جواب یہ ہے کہ یہ غلط فہمی دوسرے مذاہب کے بارے میں تو ہو سکتی ہے جیسے جینی، جو گی کہ ان کے ہاں غیر معمولی مدت کے لیے سخت پابندیوں کے ساتھ روزہ تھا یا یہودیوں کی اصطلاح کی رُو سے روزہ کو دکھ کی چیز کہا جا سکتا ہے کیونکہ توراۃ میں روزہ کے لیے اسی قسم کا فقرہ استعمال ہوا

Marfat.com

"اس ساتویں مہینے (تشرین) کی دسویں تاریخ مقدس جماعت ہوگی اور تم اپنی جانوں کو دُکھ دو اور کچھ کام نہ کرو،" لیکن اسلام نے جہاں روزہ کا حکم دیا ہے ساتھ یہ الفاظ بھی کہہ دیئے ہیں:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

خدا تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔

اس آیت کا منشا یہ ہے کہ اسلامی عبادات میں کوئی بھی ایسی نہیں رکھی گئی جس کا مقصد ہی انسان کی جان کو دُکھ پہنچانا ہو اسی لیے اسلام نے روزے کی اُن شخصیتوں کو جو لوگوں نے بڑھا رکھی تھیں بڑی حد تک کم دیا۔

روزہ کی اصلاحات

اسلام نے روزہ میں جو سہولتیں پیدا اور سختیاں کم کیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسلام نے روزہ سب پر خواہ پیشوا ہو یا غیر پیشوا مرد و عورت سب پر فرض کیا ہندوؤں کی طرح صرف برہمنوں پر یونانیوں کی طرح صرف عورتوں سے ہی مخصوص نہیں رکھا چنانچہ اس کا حکم عام یہ ہے "اس مہینہ میں جو موجود ہو وہ مہینہ بھر کے روزے رکھے"۔

(۲) قمری مہینہ مقرر ہونے سے ہر جگہ اور ہر ملک میں روزہ مختلف فصلوں میں تبدیل ہوتا رہے گا اس لیے اس کی سختی و نرمی بدلتی رہے گی، دوسرے مذاہب کی طرح شمسی ماہ مقرر ہونے کی وجہ کسی ایک فصل گرمی یا سردی سے ہی مخصوص نہیں۔

Marfat.com

(۳) دیگر مذاہب میں کسی حالت میں انسان روزہ سے مستثنیٰ نہ تھا توراۃ میں تو یقیناً کوئی استثنا نہیں ہے لیکن اسلام نے فطرت شناسی سے کام لے کر مجبوردل اور معذوردل کو مستثنیٰ کر دیا بچے، عورتیں بعض حالات میں، بڈھے، بیمار اور مسافر سب مستثنیٰ ہیں، کمزور اشخاص جو روزہ نہیں رکھ سکتے مستثنیٰ ہیں، عارضی معذور مثلاً مسافر، بیمار وغیرہ عذر دور ہونے کے بعد اتنے دن کی قضا بعد کو رکھ لیں اور دائمی معذور ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

(۴) دوسرے مذہبوں میں روزہ کے دن غیر معتدل تھے یا تو چالیس چالیس دن کا فاقہ تھا یا غلہ اور گوشت کے علاوہ پھل تک کھانے کی اجازت تھی، اسلام نے صرف ایک مہینہ کے روزوں میں گو ہر قسم کی چیز کھانے سے ممانعت کر دی مگر طلوع آفتاب سے غروب تک کے چند گھنٹے کی مدت مقرر کر دی۔

(۵) یہودیوں کے ہاں روزہ کھولتے وقت جتنا کھا لیا کھا لیا پھر اُسی وقت سے دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ عرب میں سو جانے کے بعد پھر اُٹھ کر کھانا ناجائز تھا اسلام نے صبح صادق کے طلوع سے پہلے پہلے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۶) شروع اسلام میں دستور تھا کہ مرد راتوں کو بھی روزہ کے زمانہ میں بیوی سے علیحدہ رہتے تھے۔ چونکہ یہ غیر فطری مدت

نفسانی خیانت کی موجب ہوسکتی تھی اس لیے اسلام نے صرف روزہ کی حالت تک کے لیے یہ ممانعت محدود کردی اور رات کو اجازت دیدی۔

(۷) بھول چوک اسلام میں معاف ہے اس لیے بھولے سے کھا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۸) اسی طرح غیر ارادی طور پر منافی روزہ افعال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۹) یہودیوں کو غم کی علامت و یادگار تھا اس لیے وہ روزہ میں زینت سے بھی پرہیز کرتے تھے لیکن اسلام نے روزہ میں زینت کرنا مثلاً تیل لگانا خوشبو لگانا روزہ کی خوبی قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ روزہ دار روزہ کی مشقت کو کس خوشی برداشت کر رہا ہے۔

(۱۰) روزہ دوسری عبادات کے مقابلہ زیادہ مشقت رکھتا ہے، اس لیے رسول اللہ خود اگرچہ زیادہ روزے رکھتے تھے کبھی کبھی رات دن کا متصل روزہ بھی رکھتے تھے لیکن رمضان کے علاوہ روزوں کو مستحب رکھا اور رات دن کے متصل روزہ کی تو عام امت کے لیے ممانعت فرمادی۔

روزہ کے مقاصد قرآن نے روزہ کے مقاصد مختصر تین فقروں میں بیان کردیے ہیں۔

(۱) لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ ۱۔ تاکہ تم کو خدا نے جو ہدایت کی ہے اس پر اس کی بڑائی ظاہر کرو۔

(۲) وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

۲- اور تاکہ اس ہدایت کے ملنے پر تم خدا کا شکر کرو۔

(۳) وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ -

۳- اور تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

پہلے گذر چکا ہے کہ ہر پیغمبر نے شریعت اُترنے سے پیشتر کچھ مدت ملکوتی زندگی بسر کی کھانے پینے سے پاک رہے اسی طرح حضورؐ نے غار حرا میں ایک مہینہ تک عبادت کی اس کے بعد قرآن اُترا پس روزہ کی فرضیت کا سب سے پہلا مقصد حضورؐ کی پیروی اور تقلید ہے یعنی مسلمان اپنے رسولؐ کی پیروی میں ایک مہینہ کھانے پینے اور خواہشات نفسانی سے میرا رکھ کر ملکوتی زندگی بسر کریں۔

شکریہ روزہ اس احسان عظیم کا شکریہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر کیں انکی ہدایت کے لیے کتاب الٰہی نازل فرما کر کہا جس نے ان کو شیطانی ظلمت سے نکال کر نور ایمان سے سرفراز کیا۔ اور وحشت کو اخلاق سے، جہالت کو علم سے، اور نادانی کو حکمت سے بدل دیا قرآن نے اپنے ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"اور (یہ رمضان کا روزہ اس لیے فرض ہوا) تاکہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ اس لیے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم اس کو شکریہ ادا کرو"۔

غرض خدا کی اظہار عظمت و شکریہ کے بعد روزہ کے حسب ذیل مقاصد ہیں۔

Marfat.com

(۱) تقوے

روزہ کا معنوی مقصد دل کی صفائی اور پرہیز گاری ہے تقوی دل کی اُس کیفیّت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان گناہوں سے جھجھکنے لگتا ہے، چونکہ گناہوں کا جذبہ عموماً بہیمی قوت کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے اور روزہ اس قوت کی شدت کو کم کر دیتا ہے اس لیے حضورؐ نے ان نوجوانوں کے لیے جو نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور جذبات نفس سے بھی مجبور ہیں یہ علاج تجویز کیا کہ وہ روزے رکھیں اور فرمایا "روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لیے بہترین چیز ہے"

(۲) روزہ کی مشروعیت میں غربا اور فقرا کو کھلانا بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ رمضان کے دنوں میں لوگ ایک وقت کھائیں اور ہو سکے تو ایک وقت کا کھانا غربا کو کھلائیں اسلام کے مختلف احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ مساکین کو کھانا کھلانے کا قائمقام ہے اور کھانا کھلانا روزہ کا قائم مقام ہے چنانچہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو ایک روزہ کے بدلہ ایک غریب کو دو وقت کھانا کھلانے کا حکم ہے اور حج کے زمانہ میں اگر کوئی جان بوجھ کر شکار کرے جس کی کہ اس زمانہ میں ممانعت ہے تو اس پر شکار کے مماثل جانور کی قربانی یا چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اُسی کے مساوی روزے رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذَالِكَ صِيَامًا

یا چند مسکینوں کا کھانا کھلانا یا اسی کے برابر روزے۔

(۳) روزہ سے امرا کو غربا کی بھوک کا اندازہ ہوتا ہے اور اس ان کو یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ غربا کو کھانا کھلانا کار ثواب ہے، کیونکہ جب خود کوئی بھوکا نہ رہے اس کو دوسرے کی بھوک پیاس احساس کیونکر ہو سکتا ہے، بقول حافظ ابن قیم سوختہ جگر کے سمجھنے کے لیے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے۔

(۴) روزہ سے بھوک پیاس برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے جو جہاد و جنگ کے مواقع پر اور دیگر مصائب کے وقت کام آتی ہے جس کے سبب سپاہی جنگ کے میدان میں بھوک پیاس کی شدت کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہے اس لحاظ سے گویا روزہ ایک قسم کی فوجی ورزش ہے جو ہر مسلمان کو سالانہ ایک مہینہ تک کرائی جاتی ہے

(۵) روزہ طب کے لحاظ سے صحت کے واسطے مفید ہے کیونکہ جس طرح حد سے زیادہ بھوکا رہنا کمزوری جسم کا باعث ہے اسی طرح زیادہ کھاتے رہنا بھی موجب امراض گوناگوں ہے۔ طب کے تجربے بتاتے ہیں کہ بعض امراض کا علاج ہی بھوکا رہنا ہے۔ ہفتہ میں ایک بار ایک وقت کا کھانا ناغہ کرنا طبًا مفید ہے، اسلام میں ہفتہ وار مسنون روزے بھی ہیں اور سالانہ ایک ماہ کے فرض روزے بھی اگر روزہ دار نے سحر و افطار میں خود بے اعتدالی نہ کی ہو تو خود اس کو معلوم ہو جائے گا کہ روزے صحت کے لیے کسقدر نفع بخش ہیں اس لیے روزہ گویا ایک جبری جسمانی علاج ہے جو ہر مسلمان کے لیے سالانہ ضروری ہے

Marfat.com

(۶) روزہ رکھنے کی وجہ سے جو خاصہ وقت کھانے پینے کے دھندوں سے بچ رہتا ہے اُس کو عبادت خدا میں صرف کرنے کا موقع روزہ رکھنے کی وجہ سے مل جاتا ہے۔

(۷) دماغی اور روحانی یکسوئی کے لیے مناسب فاقہ بہترین تدبیر ہے روزہ کی بدولت یہ چیز حاصل ہوتی ہے جیسا کہ بڑے بڑے اکابر کا تجربہ ہے۔

(۸) روزہ بہت سے گناہوں سے باز رکھتا ہے اسی لیے وہ گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے۔ توراۃ میں تو اس کو خاص کفارہ ہی کہا گیا ہے، اسلام میں بھی بعض مواقع پر اس کو کفارہ بتایا گیا ہے چنانچہ قسم کھا کر کوئی اس کو توڑ دے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے۔

(۹) روزہ کی بھوک اور فاقہ گرم اور مشتعل قوی کو سرد کرکے اور دل و دماغ میں سکون اور طبیعت میں جمعیت کی کیفیت پیدا کرکے ہمیں اپنے اعمال و افعال کے محاسبہ، خطاؤں پر شرمساری اور نیکی کے اعمال کا شوق دلاتا ہے اسی سبب سے رمضان کا زمانہ عبادات اور نیکیوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، اس میں تراویح، اعتکاف، زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر خیرات کے طریقے اسی لیے رکھے گئے ہیں۔ رسول اللہ کی فیاضی گو سدا بہار تھی لیکن رمضان میں وہ مظہر صد بہار ہو جاتی تھی۔

(۱۰) روزہ صرف ظاہری بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ روح کی بھوک

Marfat.com

پیاس کا نام ہے اس لیے کسی نے روزہ رکھ کر گناہ سے اجتناب نہ کیا تو گو جسم کا روزہ ہو گیا مگر روح کا روزہ نہ ہوا اور وہی اصل مقصود تھا چنانچہ حضورؐ نے فرمایا "روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے" اسی لیے روزہ میں بخش گوئی، غصہ، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سخت معیوب قرار دیا ہے یہاں تک کہ کوئی روزہ دار سے لڑے اور گالی دے تو وہ صرف یہی کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں اور اسی وجہ سے بعض علما کا فتوٰے یہ ہے کہ جس طرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح گناہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱۱) روزہ تمام عبادات کی اصل و بنیاد ہے کیونکہ یہ خاموش عبادت ہے جس میں نمود و ریا نہیں پائی جا سکتی اور یہی اصل تقوٰی اور اخلاق کی بنیاد ہے۔

(۱۲) اس اخلاص و بے ریائی کی وجہ سے روزہ خدا کی خوشنودی اور نیک جزا کا مستحق ہے حدیث قدسی ہے۔

الصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ — روزہ رضا لصحۃ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا۔

(۱۳) روزہ بھی ایک قسم کا صبر ہے جس کی تلقین مصائب و شدائد کے وقت کی گئی ہے تاکہ مل مشکلات ہو پس روزہ بھی مشکلات

پر قابو پانے کا ذریعہ ہے اسی لیے آیت ذیل میں صبر کے معنی روزہ کے لیے بھی لیے گئے ہیں۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور (مشکلات پر) دعا اور صبر سے مدد حاصل کرو۔

(۱۴) روزہ بھی اُن اعمال حسنہ میں سے جن کے بدلہ میں خدا نے خطا پوشی اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہے۔

"اور روزہ دار مرد اور عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کو یاد کرنے والے مرد اور عورتیں ان کے لیے اللہ نے معافی اور بڑی اُجرت تیار کر رکھی ہے"۔

یعنی روزہ ہمارے مادی اور روحانی دونوں قسم کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

سوالات

(۱) روزہ کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ پر مختصر نوٹ لکھو۔

(۲) ماہ رمضان کی حقیقت و اہمیت پر روشنی ڈالو۔

(۳) ثابت کرو کہ روزہ کی فرضیت کا مناسب زمانہ ۲ھ تھا۔

(۴) روزہ کے لیے مدت معین کر دینے میں کیا حکمت ہے۔

(۵) یہ خیال کہ روزہ وحشی انسانوں کے اس تخیل کی پیداوار ہے کہ خدا انسانوں کے تکلیف اٹھانے سے خوش ہوتا

ہے، کہاں تک صحیح ہے؟

(۶) اسلام نے روزہ کی سختیوں کو کیا کیا سہولتیں دے کر کم کر دیا۔

(۷) روزہ کے اغراض و مقاصد پر تفصیلی کلام کرو۔

(۸) روزہ کا معنوی مقصد تقوی کو قرار دیا گیا ہے۔ تمہارے پاس اس کے ثبوت میں کیا دلائل ہیں۔

Marfat.com

حج

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ اور اللہ کیلئے لوگوں کو خانہ کعبہ حج کرنا فرض ہے

حج کا مفہوم | حج اسلامی عبادات کا چوتھا رکن ہے اس کے لفظی معنی "قصد و ارادہ" کے ہیں۔ اسلام کے نزدیک حج خانہ کعبہ کے گرد گھومنا اور مکہ کے مختلف مقامات مقدسہ میں حاضر ہو کر کچھ اداب بجا لانے کا نام حج ہے۔

مکہ انسانی ترقی کے تمام تدریجی مدارج کی ایک مرتب تاریخ ہے وہ حضرت ابراہیمؑ عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مستقر بنا پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے عہد میں چند خیموں اور جھونپڑیوں کی مختصر سی بستی بن گیا۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کا مذہبی شہر قرار پایا اور حضورؐ کی بعثت کے بعد اسلامی دنیا کا مذہبی مرکز بن گیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے مختلف شہروں کے سفر کے بعد عرب کا رخ کیا انہیں اپنے خاندان اور قوم کی تکلیفوں سے نجات پانے کے لیے اپنے آبائی وطن عراق سے ہجرت کرنی پڑی فاران کی وادی میں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو بسایا اور دوسرے بیٹوں بھتیجوں کو دوسرے اہم

Marfat.com

مقامات پر بسایا جہاں سے تجارتی قافلوں کے ساتھ ملنے کا اور تجارت کا موقع بھی اور خدا کی توحید خالص کی عام تبلیغ بھی ہو سکے۔

بیت اللہ

حضرت ابراہیمؑ کا دستور تھا کہ جہاں روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر نصب کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ توراۃ میں اس قسم کی متعدد قربان گاہوں اور خدا کے گھروں کا ذکر ملتا ہے جن کے دو نام بتائے گئے ہیں، ایک (مذبح یا قربان گاہ) اور دوسرا بیت ایل یعنی بیت اللہ اور خدا کا گھر۔ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ بھی اسی قسم کا حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے ہاتھ کا بنا ہوا خدا کا گھر ہے جس کے متعلق اسلام کا دعوے ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر ہے۔

حضرت اسمٰعیل کی قربانی

قران کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کا خواب دیکھا تھا اور توراۃ کے مطابق وہ بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ تھے توراۃ اور قران دونوں سے ثابت ہوتا کہ ملت ابراہیمی کی بنیاد قربانی تھی اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ زندگی کی اصلی خصوصیت تھی۔ اور اسی آزمائش میں پورا اترنے پر ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی توراۃ میں ہے۔

"خداوند فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا ہاں اپنا اکلوتا بیٹا دریغ نہ رکھا، میں نے اپنی قسم کھائی ہے کہ میں

برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا اور بڑھاتے ہی تیری نسل
کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کناروں کے ریت کے
مانند (لاتعداد) بڑھاؤں گا"

قرآن پاک میں ہے۔

(۱) "جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے چند باتوں میں اس کی آزمائش کی، پھر اس نے ان کو پورا کیا تو خدا نے اُس سے کہا کہ میں تجھ کو لوگوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں"

(۲) "اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم یونہی اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں"۔

یہی وہ برکت ہے جس کی مسلمان روزانہ پانچ بار خدا سے درخواست کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ

خدایا تو محمدؐ اور محمدؐ کی نسل پر برکت نازل کر جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی نسل پر برکت نازل کی۔

لیکن یہ قربانی محض خون اور گوشت کی نہ تھی بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی یہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں اور تمناؤں کی قربانی تھی۔

اسلام سراپا قربانی ہے

اسلام کے معنی ہی بندگی کے لیے گردن جھکا دینے کے ہیں، یہی حقیقت حضرت

ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے اس ایثار و قربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں اس کو اسلام کے لفظ سے ہی تعبیر کیا گیا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔

جب ابراہیم و اسمٰعیل اسلام لائے (یعنی حکم خدا کے آگے گردن جھکا دی) اور ابراہیم نے اُس کو اسمٰعیل کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا۔

غرض ابراہیمی ملت کی حقیقت ہی اسلام (اپنے ارادوں کو خدا کی مرضی پر قربان کر دینا) ہے۔

یہ قربانی کہاں ہوئی؟ توراۃ نے اس مقام کا نام موریہ یا موریہ بتایا ہے توراۃ کا عربی ترجمہ جو ۱۸۹۱ء میں اوکسفورڈ یونیورسٹی کے مطبع میں چھپا ہے۔ اس میں اس مقام کا نام "مُرَیّا" لکھا ہے اور درحقیقت یہ لفظ مروہ ہے جو مکہ میں بیت اللہ کے پاس ایک پہاڑی کا نام ہے اور یہ اُس مقام سے جہاں حضرت ابراہیم قیام پذیر تھے چند روز کی مسافت پر تھی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی شریعتوں کے مطابق قربان گاہ بیت اللہ ہونا چاہیے اور خاص کر اس لیے بھی کہ حضرت ابراہیمؑ نے وہاں خدا کی عبادت کی اور سجدہ کیا اس قربان کو ایسا معروف ہونا چاہیے کہ حضرت ابراہیم کا ساتھ کے نوکروں کو یہ کہنا درست ہو سکے "کہ میں وہاں جا کر عبادت کر کے واپس آتا ہوں" یہ خصوصیتیں کعبہ کے سوا کہیں اور نہیں پائی

جاسکتیں۔

مکّہ اور کعبہ اسلامی نقطہ نظر سے کعبہ وہ مقام ہے جو عرش الٰہی کا سایہ خدائی برکتوں "سمت القدم" اور ازل سے دنیا میں خدا کا معبد ہے جسے سب بڑے بڑے پیغمبروں نے بیت المقدس سے پہلے اپنی عبادتوں کی سمت قرار دیا، قرآن میں

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ	بیشک سب سے پہلا خدا کا گھر جو
لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ۔	لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے

لیکن حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے دنیا کی گمراہیوں نے اس کو بے نشان بنا دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب چراغ توحید روشن کیا تو حکم ہوا اس گھر کی چہار دیواری بلند کر کے توحید کا پتھر پھر نصب کیا جائے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی کعبہ کا نام قرآن کے مطابق البَیْتُ العَتِیقِ (پرانا گھر) تھا پس حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اس گھر کی پرانی بنیادیں تلاش کر کے نئے سرے سے اس کی چہار دیواری کھڑی کر دی قرآن میں ہے۔

اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ	جبکہ ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا
مِنَ الْبَیْتِ۔	رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بنیاد پہلے سے پڑی ہوئی تھی۔

مکّہ اور کعبہ کی قدامت قدیم زبانوں کے محققین کے نزدیک مکّہ بابلی یا کلدانی لفظ بمعنی "خانہ" ہے اس سے دو

Marfat.com

باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مکہ اس وقت سے آباد ہے جبکہ بابل اور کلدانی قافلے ادھر سے گذرتے تھے دوسرے یہ کہ مکہ کی بستی خانہ کعبہ کے تعلق سے وجود میں آکر مکہ کہلائی۔ مکہ کا نام بکہ سب سے پہلے زبور میں نظر آتا ہے۔ قدیم شامی زبان میں "بک" یعنی شہر ہے جیسے بعلبک (بعل دیوتا کا شہر) شام کے ایک قدیم شہر کا نام ہے۔ یہ اس بستی کی قدامت کی دوسری دلیل ہے، قرآن نے بھی مکہ کو بکہ کے نام یاد کیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ	پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے بنایا گیا
لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ	وہی ہے جو بکہ (یعنی مکہ) میں ہے۔

"کعبہ" کے لغوی معنی چوکھونٹے کے ہیں۔ بیت اللہ چوکھونٹا بنایا گیا تھا اور اب ایسا ہی ہے۔ یونانی تاریخوں میں بھی کعبہ کا حوالہ ملتا ہے۔ چنانچہ یونان کا مشہور مورخ ڈیوڈورس سنہ ۱۰۰ قبل مسیح میں عرب کے ذکر میں کہتا ہے۔

"ثمودیوں اور سبا والوں کے درمیان ایک مشہور معبد ہے جس کی تمام عرب بڑی عزت کرتے ہیں"

ثمود، شام و حجاز کے حدود میں رہتے تھے اور سبا، یمن میں ظاہر ہے۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان حجاز ہی ہے اور وہ قابل عزت معبد فاکہ کعبہ ہی ہو سکتا ہے۔

حج کی قدامت رومیوں کی تاریخ میں پروکوپس مورخ لکھتا ہے کہ جب رومی سپہ سالار بلیزر نے اپنے فوجی افسروں

کو جمع کر کے مشورہ کیا تو شام کے دو افسروں نے کہا کہ آئندہ لڑائی میں وہ شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹے تو عرب کا بادشاہ مندر سوم فوراً حملہ کر دے گا اس پر سپہ سالار نے کہا۔

"تمہارا یہ خطرہ صحیح نہیں کیونکہ عنقریب وہ موسم آنے والا ہے جس میں عرب اپنے دو مہینے عبادت کے لیے خاص کرتے ہیں اور ہتھیار نہیں اٹھاتے"۔

صاف ظاہر ہے کہ حج کے موسم کا بیان ہے۔

عرب جاہلیت کے اشعار میں بھی حج اور ارکان حج کا ذکر بکثرت ملتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل عرب یا بنی اسمٰعیل اپنے موروثی مراسم اور خصوصیات کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔

حج ابراہیمی یادگار ہے

جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی قربانی کا خواب دیکھ کر اس پر لبیک کہا اور مکہ میں لاکر اس کے گلے پر چھری رکھی تو یہ ندائے غیبی سنی۔

"اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک بڑی قربانی دے کر ہم نے اس کے بیٹے کو بچا لیا۔ اس وقت انہوں نے سمجھا کہ خواب کی تعبیر بیٹے کو توحید اور خانۂ خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دینا اور اس گھر مرکز خدا پرستی بنانا ہے جس کا مفصل ذکر سورہ بقرہ رکوع ۱۵۔ ۱۶، سورہ ابراہیم رکوع ۶ اور سورۂ آل عمران رکوع ۱۰ میں

Marfat.com

ہے۔ ان آیات میں مفصل طور سے بتایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو جو
نظارہ پرستوں سے بچکر ایک مامن کی تلاش میں تھے یہ ٹھکانا عنایت
کیا جو ازل سے خدا کی توحید و عبادت کے لیے منتخب تھا، یہ مقام
غیر آباد تھا اس لیے ابراہیمؑ نے دعا کی "اے خدا، میں یہاں اپنی اولاد
کو بساتا ہوں ان کو روزی پہنچاتا اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف
مائل بناتا تاکہ وہ بت پرستی سے محفوظ رہ کر خالص عبادت بجا لائیں۔

قران کا دعوی ہے کہ اس مقام میں حضرت ابراہیم کی سی نشانیاں
ہیں ان کے قیام و نماز کا مقام اور قربانی کی جگہ ہے۔ اس لیے لوگوں
کو دور دور سے یہاں آکر دینی اور دنیاوی فائدے حاصل کرنے چاہییں۔
خانہ کعبہ کا طواف کریں اور حضرت اسمٰعیل کی یادگار کے طور پر قربانی کرکے
غربا کو کھلائیں۔ نہ کسی پر ہتیار اٹھائیں اور نہ چیونٹی تک کو ماریں، آرام
عیش اور تکلف کو چھوڑ کر یہاں ابراہیمی یادگاروں پر ٹھہریں اور
ابراہیمیؑ طریقہ پر خدا کی پرستش کریں۔

توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا
دستور تھا کہ جہاں کوئی کرشمۂ خداوندی دیکھتے ایک پتھر کھڑا کرکے خدا
کا گھر اور توحید کا معبد بنا لیا کرتے تھے، کعبہ کی بنیاد کی صورت بھی یہی
ہوئی نیز جو شخص خانۂ خدا کی خدمت و عبادت کے لیے کوئی نذر مانتا تھا
تو نذر پوری ہونے کے بعد سر منڈواتا تھا۔ نیز توراۃ میں مذکور ہے
کہ جب حضرت ابراہیم کو قربانی پسر کے لیے خدا نے پکارا تو انہوں

لَبَّیْكَ کہا جس کے معنی ہیں "میں حاضر ہوں" حاجیوں کے لیے یہی طریقہ مقرر ہوا کہ حج کے بعد سر منڈائیں قربانی کریں اور اُٹھتے بیٹھتے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی صدائیں بلند کریں۔

حج کیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ حج کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ رحمت خداوندی کے مہبط یعنی کعبہ میں حاضر ہو کر ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی پیروی میں خدا کی جناب میں سر تسلیم کر دیا جائے اور انہی کے مانند عبودیت کا اظہار کر کے نوازشہائے ربانی سے سرفرازی حاصل کی جائے اسی لیے حاجی تمدن کے اُس ابتدائی زمانہ کے مطابق بے سلے کپڑے (احرام) پہنتے ہیں، اقتدائے اسمٰعیل میں خدا کے حضور میں نذر (طواف) کرے اور اس کے بعد سر منڈاتے ہیں اور سامان تکلف عطر وغیرہ سے پرہیز، رنگین کپڑوں کا استعمال ترک اور سر ڈھانکنے سے گریز کرتے ہیں اور انہی دونوں بزرگوں کے مانند جو سفر کے گرد و غبار میں آئے ہوئے خانۂ خدا میں آئے تھے، حاجی بھی خدا کے گھر میں اسی حال میں پہنچتے ہیں اور وہی حضرت ابراہیمؑ کی صدائے لَبَّیْكَ ان کی زبانوں پر ہوتی ہے صفا سے مروہ تک حضرت ابراہیمؑ دوڑ کر گئے تھے تاکہ وہاں پہنچکر بیٹے کی قربانی کریں۔ اس کی یاد میں حاجی بھی دوڑتے (یعنی سعی کرتے) ہیں، اور عرفات میں جمع ہو کر اپنے عمر بھر کے گناہوں کی خدا سے معافی طلب کرتے ہیں اور عہد عبودیت و بندگی نئے سرے سے باندھتے ہیں اور یہی حج کا رکن اعلیٰ ہے جو

Marfat.com

احساس کہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے پیغمبر اس مقام پر اسی طرح ٹھہرے تھے مسلمانوں میں روحانی خاص کیف پیدا کر دیتا ہے۔ ارکان حج کی ادائیگی جو ایک قسم کی نذر ہے اس سے فارغ ہو کر پیروی خلیلؑ میں کوئی جانور ذبح کر کے روحانی قربانی کی تمثیل پیش کرتے ہیں۔ اور اس وقت ان کی زبان انہی الفاظ کے ساتھ گویا ہوتی ہے جو اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے نکلے تھے، یعنی

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔	بیشک میں نے منہ اسکی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں
اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔	بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب جہانوں کے پالنے والے خدا کے لیے ہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے گردن جھکانے والا ہوں

اصلاحات عبادات میں صرف حج ایک ایسا فریضہ تھا جس کے تمام اصول و ارکان عرب میں زمانۂ جاہلیت میں بھی موجود تھے البتہ اُن کا محل استعمال تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور بعض مشرکانہ طریقے اس میں داخل کر لیے گئے تھے اس لیے اسلام نے ان کی حسب ذیل

اصلاحات کرکے حج کی فرضیت کا اعلان دوسری عبادات کی تدریجی فرضیت کے برخلاف یکبارگی کر دیا۔

(۱) عرب نے مناسک حج کو ذاتی نمائش کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ قیام منیٰ کو ذاتی اور آبائی مفاخرت کا ذریعہ بنا رکھا تھا اسلام نے تمام عبادات کی طرح اس کو بھی خدا کی یاد اور طلب مغفرت کا وسیلہ قرار دیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی "جس طرح اپنے باپ داروں کا ذکر کرتے ہو اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کرو۔

(۲) قربانی کے خون سے کعبہ دیواروں کو چھانا اور قربانی کے گوشت کو جلانا یکسر مٹا دیا اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی "خدا کے پاس قربانیوں کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا اس کے پاس تو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

(۳) زاد راہ ساتھ لے کر چلنے کا حکم دیا تاکہ اہل یمن کی طرح مکہ پہنچکر بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے فرمایا "اور زاد راہ ساتھ لے کر چلو کیونکہ بہترین زاد راہ تقویٰ (سوال سے پرہیز) ہے۔

(۴) برہنہ ہوکر طواف کرنا جسے قریش نے اپنے امتیاز کی خاطر دوسرے قبائل کے لیے رائج کر رکھا تھا اسلام نے موقوف کر دیا اس کے لیے یہ آیت اتری "ہر عبادت کے وقت اپنے کپڑے پہنو"۔ رسول اللہ نے اس کا اعلان ۹ھ میں حضرت ابوبکر کے ذریعہ کرایا۔

(۵) قریش کو جو دوسرے قبائل کے مقابلہ میں اپنا امتیاز قائم کرنے

Marfat.com

کے لیے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے حکم ہوا
"کوچ وہیں سے کرو جہاں سے تمام لوگ کرتے ہیں"

(۶) صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ کر چلنا نہایت ضروری مذہبی سنت قرار دیدی گئی تھی اسلام نے اس کو زیادہ اہم نہایت قرار دیا۔

(۷) زمانہ جاہلیت میں حج کا ایک میلہ بن کر رہ گیا تھا، فسق و فجور اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ جو میلوں کی خصوصیت ہوتی ہے پائی جاتی تھی اسلام نے ان حرکتوں کو بند کر دیا یہ حکم نازل ہوا "جس نے ان مہینوں میں حج کی نیت کر لی تو (سن لو کہ) حج میں نہ شہوت رانی کی باتیں کرنا ہے اور نہ گناہ اور لڑائی فساد اور تم جو نیکی کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہوگی"

(۸) خاموش حج کی بدعت کو ختم کیا۔

(۹) پا پیادہ حج کرنے کی نذر کو کار ثواب سمجھنے کا جو خیال پیدا ہو گیا اس کو حضورؐ نے اپنی جان کو خود عذاب میں مبتلا کرنا قرار دیا اسی طرح عورتوں کو برہنہ سر اور برہنہ پا نذر ماننے کی ممانعت کی۔

(۱۰) حج سے واپسی کے بعد اپنی گھروں میں بجائے دروازوں کے پچھواڑے سے کود کر آنا کار ثواب سمجھا جانے لگا تھا، انصار ایسا کرتے تھے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی "گھر کے پچھواڑے سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے نیک صرف وہ ہے جس نے پرہیزگاری کی اور گھروں میں انکے دروازوں سے داخل ہوا کرو"

Marfat.com

(۱۱) اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتے ہوئے بعض لوگ ناک میں نکیل ڈال کر طواف کرتے تھے حضورؐ نے ایک شخص کو اس صورت سے دیکھا تو نکیل کٹوادی اور فرمایا "اس شکنجے کو دور کرو یہ نذر نہیں ہے نذر وہ ہے جس سے خدا کی ذات مقصود ہو"

(۱۲) زمانہ حج میں عمرہ نہ کرنا اور اس کے لیے سواریوں کی خستگی دور ہو جانے کا انتظار کرنا ایک بے معنی رسم قرار دے کر اس کو مٹادیا۔

(۱۳) تجارت کو حج کے اور حج کو تجارت منافی سمجھ کر حاجی تجارت کے منافع سے اور تاجر حج کے ثواب سے محروم رہتے تھے اسلام نے یہ تفریق مٹادی فرمایا

"تمھارے لیے یہ گناہ نہیں کہ (زمانۂ حج میں) خدا کے فضل (تجارت کے فائدہ) کی تلاش کرو"

ارکان حج پر تفصیلی نظر

احرام:- بے سلے کپڑے پہننا یہ گویا حج کے لیے ایسا ہے جیسے کہ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ اس کے بعد انسان عام زندگی سے نکل کر نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ زیب و زینت، سلے ہوئے کپڑے، بی بی سے قربت، کسی جانور کا شکار کرنا وغیرہ سب حرام ہو جاتا ہے تمام لوگ بلا تفریق شاہ و گدا ایک طرح کے لباس میں ملبوس ہوتے ایک چادر کمر سے لپیٹ لیتے ہیں اور ایک سر کھلا چھوڑ کر گردن سے اس طرح لپیٹ لیتے ہیں کہ دایاں ہاتھ کام کرنے کے لیے کھلا رہے، یہ تمدن کے ابتدائی

دور کی سادہ یادگار اور عہد ابراہیمی کے لباس کا نمونہ ہے اور یہ گویا خدا کے دربار میں حاضری ہونے کے عجز و مسکنت آمیز وردی ہے۔

طواف :۔ عہد ابراہیمی میں قربان گاہ کے گرد پھر نذر ادا کی جاتی تھی۔ چونکہ حاجی اپنے آپ کو گویا قربان گاہ پر پیش کرتا ہے اس لیے خانۂ کعبہ کے چاروں طرف گردش کر کے دعائے مغفرت مانگتا ہے گویا یہ ایک قسم کی ابراہیمی نماز ہے اسی لیے حضور نے فرمایا "کعبہ کا طواف بھی گویا نماز ہے مگر صرف یہ فرق ہے کہ اس میں تم بول سکتے ہو مگر نیک بات کے سوا نہ بولو"۔

حجر اسود کو چومنا :۔ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے بعد سے کئی بار ہوئی، ان کے عہد کا صرف ایک یہ کالا پتھر ہے جو کعبہ کی اس دیوار میں نصب ہے جو بیت المقدس کی سمت میں واقع ہے یہ طواف کے شروع اور ختم کا ایک نشان ہے ہر طواف کے ختم کے بعد اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں یہ بوسہ صرف اس محبت کا نشان ہے جو اس یادگار کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل کی روحانی اولاد یعنی مسلمانوں کو ہے، ورنہ اس پتھر میں اور کوئی کرامت کی بات نہیں اسی لیے حضرت عمرؓ نے اسکو بوسہ دیتے وقت فرمایا "اے سیاہ پتھر میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک معمولی پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، میں تجھے صرف اس لیے بوسہ دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا تھا"۔

Marfat.com

صفا و مروہ کے درمیان سعی (دوڑنا)

کعبہ کے قریب ان ناموں کی دو پہاڑیاں تھیں اب ان کے کچھ کچھ نشان باقی رہ گئے ہیں۔ صفا بظاہر وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت ابراہیم نے اپنے نوکروں کو چھوڑا تھا اور مروہ وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کرنی چاہی تھی، بعض روایات کے مطابق ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی پھر رہی تھیں کہ زمزم کا چشمہ انہیں نظر آیا۔ حج میں ان کے درمیان سعی انہی کے حالت اضطراب میں دوڑنے کی یادگار ہے ان پہاڑیوں پر چڑھ کر اور اُتر کر کعبہ کی طرف رخ کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ کیونکہ ان پر حضرت ابراہیمؑ و ہاجرہؑ کو خدا کے نشان نظر آئے تھے۔

عرفات میں ٹھہرنا: اصل حج یہی ہے کہ نویں تاریخ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ٹھہر کر خدا کی یاد کی جائے۔ یہیں جبل رحمت کے پاس کھڑے ہو کر امیر اسلام خطبہ دیتا ہے یہ وقوف ایک طرف شوکت اسلامی کا اور دوسری طرف روز حشر کے اجتماع کا نمونہ ہے اسی لیے سورۂ حج کی ابتدا میں حشر کا بیان قرآن میں آیا ہے، دنیا کے ہر خطہ سے آئے ہوئے مسلمانوں کا یہ جم غفیر اور ان کی خدا کی حمد و دعا میں مصروفیت کا یہ نظارہ روح کو عجیب تازگی بخشتا ہے۔

Marfat.com

مزدلفہ کا قیام عرفات سے بعد مغرب روانگی کے بعد بوجہ دوری منیٰ مزدلفہ کو راحت وسکون حاصل کرنے کے لیے درمیانی منزل قرار دیا گیا، یہیں مشعر حرام نام کی مسجد ہے جو عبادت کے لیے خاص مقام ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے۔

"جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس خدا کو یاد کرو"

قیام منیٰ گو مقام قربانی مروہ تھا مگر مسلمانوں کی کثرت اور قربانیوں کے بیحد وحساب ہونے کی وجہ سے شہر سے چند میل کے فاصلہ پر منیٰ کے مقام کو قربانی کے لیے مقرر کر دیا گیا دوسری وجہ یہ تھی کہ جاہلیت میں یہاں لوگ باپ دادوں پر فخر کی محفلیں جمایا کرتے تھے جن کا انجام بعض اوقات جنگ وجدل ہوتا تھا۔ اس رسم کے مٹانے کے لیے اس کو قربان گاہ اور خدا کی حمد وعبادت کا مقام بنا دینا بہترین طریقہ تھا، یہاں تین روز قیام کیا جاتا ہے، لوگ باہم ملتے جلتے اور قربانی اور دعوتیں کرتے ہیں۔

قربانی قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کی یادگار ہے، منیٰ کے تین روز کے قیام میں مسلمان اس یادگار کو قومی عید بنا کر غربا اور فقرا کو کھانا کھلاتے ہیں جو قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دس دن کے روزے رکھ لے چنانچہ قرآن کا حکم ہے "جس کو قربانی میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے حج میں اور سات واپس ہو کر۔

Marfat.com

سر منڈوانا نذر ماننے والے نذر سے فارغ ہو کر سر منڈایا کرتے تھے یہ اُسی پرانی رسم کی تعمیل ہے نیز اس پرانی رسم کے مطابق یہ غلامی کا نشان بھی تھا جبکہ آزاد کردہ غلام کے بال منڈوا دیے جاتے تھے گویا یہ خدا کی دائمی غلامی کا اقرار ہے۔

رمی جمار یعنی پتھروں پر کنکریاں مارنا میدان منیٰ میں پتھر کے تین ستون ہیں جن پر حضرت ابراہیمؑ کے اتباع میں کنکریاں مارتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لیے لیجاتے وقت انہی تین جگہوں پر شیطان نے وسوسہ ڈالنا چاہا اور حضرت ابراہیمؑ نے اسکے کنکریاں ماری تھیں بعض کے نزدیک ابرہہ کی کعبہ پر فوج کشی کے وقت اس کی ہاتھیوں کی فوج کو کنکریوں سے ہلاک کیے جانے کی یادگار کے طور پر رمی جمار کی جاتی ہے۔ بہرحال یہ کنکریاں مارتے وقت خدا کی حمد کے ساتھ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دعا کیجاتی ہے۔

رسوم حج کی غایت ان تمام رسوم کا مقصد عہد عتیق کی یادگاروں کو سامنے رکھ کر حج سے ماقبل و مابعد کی زندگیوں میں ربط دینا اور مستقبل کی اصلاح کرنا ہے اسی لیے حضور نے رمی جمار، سعی درمیان صفا و مروہ، اور طواف کا مقصد صرف یاد خدا کو قرار دیا ہے، قرآن نے بھی ادھر کا اشارہ کیا ہے فرمایا

Marfat.com

"تاکہ ان مقررہ (حج کے) دنوں میں خدا کا نام یاد کریں"۔
اسی مقامات حج کو شعائر اللہ اور حرمات اللہ کے نام دیے گئے ہیں، فرمایا۔
(۱) "بیشک صفا اور مروہ شعائر اللہ (خاص مقام ذکر) ہیں"
(۲) جو اللہ کی حرمات (محترم چیزوں) کا ادب کرے گا تو یہ اس کے پروردگار کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے"۔

آداب حج احرام باندھ کر حاجی پر حسب ذیل آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔
(۱) نیکی اور صلاح و تقویٰ۔
(۲) امن و آشتی۔
(۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔
(۴) شکار سے پرہیز۔
(۵) خاص طور سے زائرین حج میں لوٹ کھسوٹ اور ایذا رسانی سے احتراز اگر قصداً کسی جانور کو مار ڈالا تو اس کے کفارہ میں اسی کے برابر حلال جانور کی قربانی یا کھانا کھلانا یا روزہ رکھنا ہے۔

حج میں کیا مصالح ہیں خود قرآن نے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح حج کے فوائد و مصالح بھی خود ہی بتا دیے ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ رکوع ۱۵ سورۂ حج رکوع ۴ اور سورۂ ابراہیم رکوع ۶ کی آیات سے حسب ذیل باتیں معلوم

Marfat.com

ہوتی ہیں۔

۱۔ مرکز توحید یعنی خانہ کعبہ ملت ابراہیمی کا مسکن ہے۔

۲۔ یہاں حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے بسایا۔

۳۔ یہ وہ بابرکت مقام ہے جہاں کوئی کھیتی اور پیداوار نہیں مگر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے قبول نے عالم کے دلوں کو اس کی طرف مائل بنا دیا۔

۴۔ خدا کے حکم مطابق حج کا اعلان عام کیا گیا تاکہ لوگ دین و دنیا کے فوائد حاصل کریں۔

۵۔ عازمین حج کے گناہوں مغفرت کے لیے حضرت ابراہیم نے دعا مانگی ہے۔

اصل مقصد تو مذکورہ بالا اوصاف رکھنے والے مقام میں دعا اور حصول برکت ہے۔ لیکن معاشرتی و اخلاقی لحاظ سے یہ فوائد بھی پیش نظر ہیں۔

(۱) چونکہ حج کے لیے اہل و عیال کے نقطہ سے اسقدر رقم کا بچ رہنا شرط ہے جو مصارف حج کے لیے کافی ہو اس طرح اہل و عیال کے مصارف کی ذمہ داریوں کا علم انسان کو خود بخود ہو جاتا ہے۔

(۲) مختلف ملکوں میں مختلف زبانیں بولنے والے مسلمان اپنی عمومی اور اسلامی زبان عربی سے حج کے دسیلہ میں کچھ نہ کچھ آگاہ

Marfat.com

ہو جاتے ہیں جس سے اسلامی عالمگیر اخوت کا راز آشکارا ہوتا ہے۔

(۳) لباس احرام میں سب امیر و غریب، عالم و جاہل اور شاہ و گدا کی یک رنگی اور ایک خدا کے سامنے ایک میدان میں کھڑا ہو مساوات اسلامی کا دلکش نظارہ پیش کرتا ہے۔

(۴) چونکہ حج کے مصارف کے لیے مال حلال ضروری ہے اس لیے انسان کسب حلال کی طرف توجہ اور حلال و حرام میں تفریق کرنی پڑتی ہے جو بہت سی خوش اخلاقیوں کا سرچشمہ ہے۔

غرض حج میں مذہبی و دینی فوائد کے علاوہ اخلاقی، معاشرتی سیاسی اور قومی ہر لحاظ سے بے شمار منافع مضمر ہیں۔

سوالات

(۱) حج کا مفہوم، اور اس کی ابتدائی تاریخ پر پر از معلومات نوٹ لکھو۔

(۲) حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے سلسلہ میں تم کیا جانتے ہو۔

(۳) مکہ اور کعبہ کی لغوی تحقیق کرو۔

(۴) دلائل شواہد سے ثابت کرو کہ حج ابراہیمی یادگار ہے

(۵) اسلام میں حج کی حقیقت کیا ہے۔ طواف، صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا، عرفات میں قیام کا مقصد و مطلب کیا ہے

(۶) اسلام نے حج میں کیا کیا اصلاحات کیں۔
(۷) رمی جمار سے تم کیا سمجھتے ہو اس کی حکمت و مصلحت پر روشنی ڈالو
(۸) حج میں معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے کیا فوائد مضمر ہیں۔

جہاد

قرآن میں ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ — اللہ کے راستہ میں پورا پورا جہاد کرو۔

جہاد کا مفہوم عام سے جہاد لڑائی کو سمجھا جاتا ہے مگر جہاد کا لفظ جہد سے بنا ہے جسکے معنی محنت و کوشش کے ہیں اس لیے جنگ وغزوہ کے علاوہ اس کے مفہوم میں ہر قسم کی جدوجہد، قربانی، ایثار اور جسمانی اور دماغی قوتوں کو راہ خدا میں صرف کرنا سب کچھ داخل ہے۔

یہ اسلام کے مخالفوں کا پروپیگنڈا ہے کہ انہوں نے جہاد کو صرف مخالفین اسلام کے ساتھ لڑائی لڑنے میں منحصر کر دیا ہے۔ چونکہ حضورؐ کی شریعت سراپا عمل ہے اس لیے نجات کا مدار ایمان کے بعد عمل خیر اور نیک کرداری کی جدوجہد پر رکھا گیا ہے، ربانیت

Marfat.com

مفہوم کیا ہے۔

(۲) جہاد کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کا اسلام میں کیا مرتبہ ہے۔

(۳) شہید کا درجہ اسلام میں کیا ہے۔

(۴) وہ درجۂ جہاد کونسا ہے جس کو ہر مسلمان ہر جگہ اور ہر وقت حاصل کر سکتا ہے۔

قلبی عبادتیں

فقہا نے صرف جسمانی اور مالی عبادتوں سے بحث کی ہے، مگر صوفیہ کے ہاں ان کے علاوہ کچھ قلب کی عبادتیں بھی ہیں۔ اس طرح انھوں نے جسمانی اور مالی فریضوں کے ساتھ ان کو بھی شامل کر کے تمام فریضوں کو یکجا کر دیا ہے۔

ان میں سب سے زیادہ اہم تقویٰ، توکل، صبر اور شکر ہیں۔ چونکہ ان چیزوں کا تعلق قلب سے ہے، اسی لیے ان کا نام قلبی عبادات رکھا گیا۔

تقویٰ ہر اچھے اور برے کام میں خیر و شر کی کشمکش کا محسوس کرنا تقویٰ ہے۔ یہی سارے اسلامی احکام کی غرض و غایت ہے،

Marfat.com

کیونکہ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد تقویٰ ہی ہے، اسی لیے قرآن کی تعلیم سے فائدہ اُٹھانے والوں کا وصف خاص تقویٰ قرار دیا گیا ہے، فرمایا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب تقویٰ والوں کے لیے مشعل راہ ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، تعمیر مسجد، حج کا زادِ سفر، عفو و درگذر، عدل و انصاف اور احسان و نیک کرداری غرض ہر عمل خیر کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

برکات تقویٰ (۱) تقویٰ جنت اور اُخروی نعمتوں کے استحقاق کا موجب ہے، فرمایا۔ (۱) "بے شک تقویٰ والے امن و امان کی جگہ میں ہوں گے (۲) بیشک تقویٰ والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے"

(۲) تقویٰ اُخروی کامیابی کا ذریعہ ہے، فرمایا "آخری انجام تقویٰ والوں کے حق میں ہے"

(۳) تقویٰ محبت الٰہی کا سبب ہے ارشاد ہے "تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں"

(۴) اہل تقویٰ کو اللہ کی معیت کا شرف حاصل ہے، فرمایا۔ "اور جان لو بے شبہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے"

(۵) تقویٰ اعمال کی مقبولیت کا موجب ہے ارشاد ہے "اللہ تو تقویٰ والوں سے ہی قبول فرماتا ہے"

اہل تقویٰ کی پہچان متقی کون ہے اس کا جواب قرآن نے یہ دیا

Marfat.com

ہے "اور جو سچائی لے کر آیا اور اس کو سچ مانا وہی لوگ تقوی والے ہیں"۔

یعنی وہ شخص جو اپنی زندگی کے ہر پہلو میں سچائی اور اخلاص رکھتا ہے، ذاتی غرض اور دنیوی عز و جاہ پر اُس کی نظر نہیں متقی کہلاتا ہے

اہل تقویٰ کے پورے اوصاف سورۃ بقرہ میں مذکور ہیں۔ یعنی خدا، فرشتوں، کتب آسمانی اور پیغمبروں پر ایمان لانا، یتیموں، مسکینوں مسافروں، سائلوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مال صرف کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، وعدہ پورا کرنا، سختی اور تکلیف میں صبر کرنا ان اوصاف کے رکھنے والوں کو:۔

اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (یہی تقویٰ والے ہیں) کا خطاب دیا گیا ہے۔

تقوی کا مفہوم و حقیقت

تقوی کا اشتقاق وقایۃ سے ہے دراصل وَقْوٰی تھا پہلی واؤ کو تاء سے تبدیل کر کے تقوی بنا لیا گیا، اس کے معنی بچنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خیر و شر کا احساس پیدا کر کے برائیوں سے بچنا تقوی کہلاتا ہے یہ قلب کی صفت ہے۔ تقوی صرف سلبی (برائیوں سے بچنے کا) پہلو ہی اپنے اندر نہیں رکھتا بلکہ ایجابی (خیر کی طرف میلان کا) پہلو بھی اس میں ملحوظ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ	اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے
فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ	تو یہ دلوں کے تقوی سے ہے۔

Marfat.com

یعنی شعائر خداوندی کا احترام جو ایک ثبوتی حقیقت ہے۔ دلوں کے تقوی سے متعلق ہے، اس آیت سے تقوی کا وصف دل ہونا اور ایجابی پہلو کا حامل ہونا واضح ہے۔ تقوی مقابل فجور (بے حیائی) ہے اور ایک الہام فطری ہے، ارشاد ہے "ہر نفس میں اس کا فجور اور تقوی الہام کر دیا"، پس جس طرح فجور ہر گناہ کی اصل ہے اسی طرح تقوی ہر خیر کی بنیاد ہے۔

صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں باوجود قوت انتقام کے صحابہ کا اس صلح کو تسلیم کر لینا اور حمیۃ جاہلیۃ (جاہلانہ ضد) سے گریز کرنا بھی قرآن نے تقوی قرار دیا ہے اسی سلسلہ میں قرآن میں ہے۔

"اور انکو تقوی کی بات پر لگائے رکھا اور وہی اسکے لائق اور اہل تھے"

تقوی برتری کا معیار ہے

اسلام میں خدا کے نزدیک برتری کا مستحق وہی ہے جو متقی ہے۔ رنگ روپ، نسل، وطن، پیشہ وغیرہ انسان کے ان خود ساختہ ذرائع شرف کا اسلام میں اعتبار نہیں اس کا اعلان قرآن نے ان الفاظ میں کیا۔

"ہم نے تمہیں مختلف خاندان اور قبیلے صرف اسلئے بنا دیا کہ باہم شناخت ہو سکے (ورنہ) تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوی والا ہے"

اسی کا اعلان حضورؐ نے حجۃ الوداع میں ان الفاظ سے فرمایا۔

"عرب کو عجم پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں، برتر وہ ہے جو سب سے زیادہ تقوے والا ہے۔

اخلاص

مذہبی اعمال واخلاص کا تعلق دل سے ہے، دل ہی وہ آئینہ ہے جس کا صاف رکھنا مذہب کا فریضہ ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔

"ہوشیار رہو، بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے سن لو! وہ دل ہے" انسان کے اعمال کا مطمح نظر بجائے دنیاوی اغراض اور ریاکاری کے خوشنودی خدا اور اس کے احکام کی اطاعت ہونی چاہیے، اسی کا نام اخلاص ہے۔ خدا نے حضورؐ کو حکم دیا "تو طاعت کو خدا کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کر" یعنی خدا کے سوا اطاعت گذاری میں کوئی دوسری چیز شریک نہ ہو، چنانچہ حضورؐ نے بامر خداوندی یہ اعلان فرمایا۔

"کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں طاعت کو خدا کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں"

تمام انبیا علیہم السلام نے اپنی تبلیغ واشاعت دین میں دنیوی اجر ومعاوضہ سے بے زاری اور خوشنودی خداوندی کی طلب کا اظہار کیا ہے چنانچہ

حضرت نوح کی زبانی قرآن میں منقول ہے "اے قوم! میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر مال کا طلبگار نہیں میری مزدوری تو خدا پر ہے"
خود حضورؐ کو یہ حکم ہوا کہ اعلان کر دیں کہ "میں نے جو تم سے اجرت مانگی ہو تو وہ تمھارے لیے ہو میری اُجرت کو خدا کے ذمہ ہے"۔
دوسری جگہ ارشاد ہوا "میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا مگر قرابت داروں میں محبت رکھنا"

اخلاص کامیابی کی بنیاد ہے

دنیا میں ہر کام کی کامیابی کی بنیاد اخلاص پر ہے اگر ذاتی غرض کا شائبہ کسی کام میں نمودار ہو جائے تو بڑے سے بڑے کام کی وقعت زائل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاص پر اسقدر زور دیا ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اخلاق و معاملات عبادت کی طرح مستحق اجر اور خیر و برکت ہوتے ہیں۔
آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا قصہ قرآن میں مذکور ہے جنھوں قربانیاں پیش کیں مگر خدا کی بارگاہ میں صرف ایک کی قربانی مقبول ہوئی اور اس کی زبانی قرآن نے مقبولیت کی وجہ کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ — خدا تو متقیوں سے ہی قبول کرتا ہے۔

یہ تقویٰ بھی دل کے اخلاص کے ساتھ خدا کی خوشنودی کے لیے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اہل تقویٰ اور با اخلاص لوگ ہی خدا کے

Marfat.com

مقبول اور مخلوق میں محبوب ہوتے ہیں، وہی بامراد اور کامیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون نے جادوگروں کو کھڑا کیا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ معجزہ موسیٰؑ کے سامنے ساحرانِ مصر کے کرتب افسانہ بن کر رہ گئے اور یہ حقیقت کہ۔

لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی — اور جادوگر جدھر سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا۔

دُنیا میں آشکارا ہوگئی۔

غرض عمل وہی عمل کہلانے کا مستحق ہیں جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے اسی لیے اسلام نے ہر عبادت کے لیے نیت کی صحت پر زور دیا ہے۔

سوالات

(۱) تقوی کا مفہوم، اس کے برکات اور اہل تقوی کی پہچان پر جامع نوٹ لکھو۔

(۲) تقوی کے مفہوم میں صرف گناہوں سے پرہیز کا سلبی پہلو ہی پایا جاتا ہے یا تقوی ایجابی پہلو کا بھی حامل ہے، ثبوت و شاہد کے ساتھ جواب دو۔

(۳) ثابت کرو کہ اسلام میں تقوی ہی برتری کا معیار ہے۔

(۴) اخلاص عمل کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔

Marfat.com

توکّل

توکّل کا مفہوم

توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے نہیں، اصطلاحاً خدا پر بھروسہ کرنے کو توکل کہتے ہیں۔ جھوٹے صوفیا کا ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا توکل نہیں بلکہ توکل خدا پر بھروسہ کرکے پورے عزم کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔

اگر توکل ترک دنیا اور ترک عمل کا نام ہوتا تو تبلیغ رسالت اور دین کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے خدا پیغمبروں کو مبعوث نہ کرتا۔

توکل کامیابی کا راز ہے

درحقیقت توکل مسلمانوں کی کامیابیوں کا اصل راز ہے۔ توکل کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جو اہم کام ہو اس میں مشورہ کرکے پھر پورے عزم کے ساتھ خدا پر بھروسہ کرکے اس کو کر گذرو اور نتیجہ اور انجام خدا کے سپرد کرو جو خدا کے فضل و کرم سے بہتر ہی ہوگا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ

اور کام میں اُن سے (صحابہ سے) مشورہ کرو پھر جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

Marfat.com

اُس آیت سے معلوم ہُوا کہ توکل بے دست و پائی کا نام نہیں بلکہ پورے عزم سے انجام کو خدا کے سپرد کر کے عمل کرنے کا نام ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو منافقین کی سازشوں سے بے پرواہ ہو کر خدا پر بھروسہ رکھنے اور سربلندی اسلام کے لیے جدوجہد جاری رکھنے کا حکم دیا، خود حضور کو حکم ہُوا۔

"تو ان منافقوں سے درگذر اور خدا پر بھروسہ رکھ، خدا ہی کام بنانے والا ہے"۔

توکّل کا نتیجہ بے خوفی ہے

خدا پر بھروسہ رکھنے والا دنیا کے بڑے سے بڑے خطرہ کو نظر میں لاتا اس توکل کا ہی نتیجہ تھا کہ حضور دشمنوں کے نرغہ کے باوجود مکّہ کی گلیوں میں راتوں کو مسلمان عبادت گذاروں کا حال دیکھتے پھرتے تھے۔

کفار اگر آمادہ بصلح ہوں تو اُن سے صلح کا حکم دیا گیا اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہُوئے کوئی دغدغہ دل میں نہ لانے کا ارشاد ہُوا فرمایا

"اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تُو بھی جھک جا اور خدا پر بھروسہ رکھ۔۔۔۔ اگر وہ تجھے دھوکہ دینا چاہیں تو کچھ پرواہ نہیں کیونکہ تجھے اللہ کافی ہے"۔

یہود جیسی بااثر اور باثروت قوم کے مقابلہ میں بے خوف ہو کر تاکہ حق کے لیے مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کا دیا گیا اور اسلام کی تبلیغ کی مشکلات میں خدا پر بھروسہ رکھنے کی ہدایت کی گئی چنانچہ اسی ذیل

میں حکم ہے۔

"تو اُس زندہ رہنے والے (خدا) پر بھروسہ رکھ جس کو موت نہیں آسکتی"

توکّل اور انبیاء سابقین

حضورؐ سے پیشتر دیگر انبیاء علیہم کی زبانی بھی توکل کی عملی تعلیم کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ حضرت نوح کے واقعہ میں قرآن کے اندر مذکور ہے کہ انہوں نے دشمنوں کے نرغہ میں طویل عرصہ تک پھنسے رہنے کے لیے یہ اعلان کیا۔

"(اے پیغمبر! ان کو نوح کا حال سنا جب اُس نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم! اگر میرا رہنا اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ میرا وعظ کہنا تم پر شاق ہو تو (سن لو!) میں نے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے، تم اپنی تدبیر اور شریکوں کو خوب مضبوط کر لو اور تم پر تمھاری تدبیر چھپی نہ رہے۔ پھر تم اس کو مجھ پر پورا کر دیکھو اور مجھے مہلت تک نہ دو"۔

حضرت نوح کا یہ اولوالعزمانہ اعلان خدا پر انتہائی توکل نشان ہے۔ اسی طرح حضرت ہودؑ اپنی قوم کی دہشت انگیزیوں کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک بناتے ہو پھر تم سب مل کر میرے ساتھ داؤ کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، میں نے اللہ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے بھروسہ کر لیا ہے"

حضرت شعیبؑ خدا پر توکل کر کے اپنے قوم سے کہتے ہیں۔
"جب مجھ میں طاقت ہے میں اصلاح کرنا چاہتا ہوں، میری توفیق اللہ ہی سے ہے۔ اُسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"

خدا نے مسلمانوں کے سامنے حضرت ابراہیم کا نمونہ پیش کر کے توکل علی اللہ کی تلقین فرمائی ہے ارشاد ہے۔
"تمھارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں پیروی کا نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور اُن سے جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں ..... اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہمارا توکل ہے اور تیری طرف ہمارا رجوع اور لوٹنا ہے"

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں کو مصر بھیجتے ہوئے ان کو شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی ہدایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
"فیصلہ اللہ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل کیا اور اُسی پر چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے بھروسہ کریں"

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے بے پناہ لشکر و طاقت کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو خدا پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم دی فرمایا۔
"اے قوم اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔

Marfat.com

اسی توکل کا نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل کامران اور بامراد ہوئے اور فرعون تباہ و ہلاک ہوا، قرآن کی آیات سے توکل کی تعلیم ملتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مشکلات میں خوف و ہراس سے بے پروا ہو کر اور مخالفوں کی تدبیروں سے نڈر ہو کر عزم کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے اور نتیجہ خدا کے سپرد کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ ایک بدوی نے حضور سے پوچھا کہ میں اپنے اونٹ کو یونہی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ کروں یا اُس کو باندھ کر، حضورؐ نے فرمایا "اس کو باندھ کر خدا پر بھروسہ کرو"

تعویذ گنڈا اور جھاڑ پھونک پر بعض لوگ اعتماد رکھتے ہوئے اس کو توکل علی اللہ کا درجہ دیتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں کا ایسا عقیدہ تھا کہ لیکن حضورؐ نے یہ فرما کر اس کی تردید کر دی "کہ میری امت سے ستر ہزار اشخاص بے حساب کتاب جنت میں داخل ہونگے اور یہ وہ ہوں گے جو تعویذ گنڈا نہیں کرتے ۔۔۔۔ اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ دوسری حدیث میں فرمایا "جو داغ لگواتا ہے اور تعویذ گنڈا کرتا ہے وہ توکل سے محروم ہے"

ایک موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا "اگر تم خدا پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم ایسے ہی روزی پہنچاتا جیسے پرندوں کو کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں۔ اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں" اس حدیث سے بھی اشارہ اسی طرف ہے۔ توکل ترک تدبیر کا نام نہیں کیونکہ

Marfat.com

طلب رزق میں پرندوں کا نکلنا بیان فرمایا ہے۔ یہ نہیں کہ گھونسلے میں بیٹھے ہوئے اُن کو روزی پہنچنے کا وعدہ ہو۔

توکل گناہوں سے روکتا ہے

اللہ کا وعدہ ہے کہ "زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں۔ لیکن اُس کی روزی خدا کے ذمہ ہے" اگر اس پر انسان کو پورا بھروسہ ہو تو وہ چوری، ڈاکہ، خیانت اور قتل و غارت کا ہرگز مرتکب نہ ہوگا اور نہ اس کو کسی قسم کی تنگی اور مایوسی لاحق ہوگی۔

سوالات

(۱) توکل کسے کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں عوام و خواص کا تخیل کیا ہے۔

(۲) ثابت کرو کہ توکل میں ہی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

(۳) توکل اور انبیائے سابقین اس عنوان کے ماتحت اپنے معلومات کا جامع خلاصہ قلمبند کرو۔

(۴) جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا کرانے کو لوگ خدا پر توکل کرنا سمجھتے ہیں۔ حضورؐ کے اقوال حکیمانہ کے پیش نظر اس خیال کا کیا درجہ ہے۔

Marfat.com

صبر

صبر کا مفہوم صبر کے معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں، عوام کی غلطی سے صبر کو بے کسی اور بے چارگی کی ایک شکل تصور کیا جاتا ہے لیکن واقعہ اسکے خلاف ہے، صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت گھبراہٹ سے بچنا اور اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا چاہیے، پس صبر یا مردی، بلند حوصلگی، اخلاقی جرأت اور ثابت قدمی کا نام ہے، نہ کہ بے چارگی اور بے بس کا

حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ میں تین جگہ صبر کا ذکر آیا ہے اور اُس سے مراد لاعلمی کی صورت میں غیر متوقع امور کے پیش آجانے پر مضطرب اور بے چین نہ ہونا مراد ہے۔

عرب بدو حضورؐ کے حجرہ کے پاس آکر بدتمیزی سے حضور کو پکارنے لگتے تھے۔ قرآن کی آیت نے نازل ہو کر بتایا کہ ان کو اس گھبراہٹ کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا صبر کرتے۔ فرمایا۔

"اگر وہ ذرا صبر کرتے یہاں تک تم (اے رسول!) نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا"۔

اگرچہ حالات کی تبدیلی سے صبر کے مفہوم میں بھی کچھ کچھ تغیر

ہوگیا ہے مگر سب کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی ثابت قدمی اور استقامت
قرآن میں صبر کے حسب ذیل مختلف محل استعمال ہیں۔

مناسب وقت و محل کا انتظار

ابتدا میں حضورؐ کو تبلیغ اسلام میں کفار کی ایذا رسانی اور رکاوٹوں کچھ بے چینی لاحق ہونے کا اندیشہ ہوا تو قرآن نے ان کو تشفی دی اور کفار پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے مناسب وقت تک صبر کیے رکھنے کی تلقین کی۔ ارشاد ہوا۔

(۱) "اے رسول! تو اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدم رہ کر منتظر رہ کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے"۔

(۲) "اور ثابت قدم رہ کر منتظر رہ یہاں تک کہ خدا فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر ہے"

(۳) "ثابت قدمی سے منتظر رہ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے"

اسی ذیل میں حضرت یونسؑ کا قصہ حضورؐ کو سنایا جو خدائی عذاب کے حسب وعید سرکش قوم پر نازل ہونے کی وجہ سے قوم سے روپوش ہو گئے تھے، حالانکہ عذاب اس وجہ سے ٹل گیا کہ ان کی قوم دل میں مسلمان ہو چکی تھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور سے ارشاد خداوندی ہوا کہ تم اس طرح رشتہ صبر نہ چھوڑ دینا فرمایا۔

"اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی کے ساتھ انتظار کر اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو جانا"۔

Marfat.com

(۲) مضطرب نہ ہونا

مصیبت کے وقت بے قرار نہ ہونا بلکہ اس کو مشیت ایزدی سمجھ کر برداشت کرنا صبر کا دوسرا مفہوم ہے۔ خدا نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔

وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ — اور جو صبر کرنے والے ہیں اس مصیبت پر جو انہیں پیش آئی۔

حضرت یعقوبؑ کو جب اخوان یوسف نے خبر دی کہ ان کو بھیڑیے نے پھاڑ ڈالا ہے تو فرمایا:

"بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو بہتر صبر ہے"۔

اس کے بعد دوسرے بیٹے بن یامین کے مصر میں روک لیے جانے کی خبر سن کر یہی الفاظ پھر فرماتے ہیں۔

حضرت ایوبؑ نے جسمانی مصیبتوں پر صبر کیا تو خدا نے ان الفاظ میں ان کی مدح فرمائی "بے شک ہم نے ایوب کو صابر پایا، کیسا اچھا بندہ! وہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا!"

(۳) راہ حق میں بے خطر ہونا

راہ حق میں مخالفین کی ایذیتوں اور طعن طنز کو خاطر میں نہ لانا پامردی سے ان کے مقابلہ پر جمے رہنا یہ صبر کا تیسرا مفہوم ہے۔ اسی لیے حضورؐ کو تبلیغ دین کے ساتھ صبر کی بھی تلقین فرمائی گئی ارشاد ہوا

"اے کملی پوش! اٹھ اور لوگوں کو ہوشیار کر ---- اور اپنے پروردگار کے لیے پامردی سے ڈٹا رہ (فاصبر)"

Marfat.com

حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ (امر بالمعروف میں) جو مصیبت تجھے پیش آئے اُس پر صبر کر۔

(۴) معاف و درگذر کرنا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ بدوں کی ایذا رسانی کو برداشت اور ان کی خطا کو معاف کیا جائے۔ خدا کا ارشاد ہے۔

فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہے اور اگر صبر (معاف) کر دو تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہتر ہے

یہ صبر اور درگذر محض خدا کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے، خوف یا کمزوری کی بنا پر نہیں اسی لیے ایک دوسری آیت میں بتا دیا گیا کہ برائی کا بدلہ نیکی سے دینے کی توفیق صاحب صبر و ضبط شخص کو ہوتی ہے ارشاد ہے۔

"بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں، برائی کو اچھائی سے دور کرو تو یکبارگی وہ شخص جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے وہ قریبی دوست بن جائیگا اور یہ بات انہی کو میسر ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اسی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی قسمت والا ہے"

(۵) لڑائی میں ثابت قدم رہنا میدان جنگ بہادرانہ استقامت صبر کا پانچواں مفہوم ہے۔ خدا نے ایسے لوگوں کو صادق القول اور راست باز ٹھہرایا ہے۔

Marfat.com

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور صبر کرنے والے مصیبت میں اور نقصان میں اور لڑائی کے وقت یہی ہیں وہ لوگ جو سچ بولے اور وہی پرہیزگار ہیں۔

صبر موجب غلبہ ہے میدان کارزار میں مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی قلت تعداد سے نہ گھبرائیں اگر بیس۲۰ صبر کے ساتھ ڈٹنے والے ہوں گے تو وہ دو سو۲۰۰ پر غالب آئیں گے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر بھاری ہونگے پھر بعد میں مسلمانوں کی کمزوری کے پیش نظر صبر کرنے والوں کو اپنے سے دوگنی تعداد پر غالب ٹھہرایا، قصہ طالوت و جالوت میں یہی چیز بیان کی گئی ہے کہ بارہا چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔ اس لیے کفار اور دشمنوں کی بڑی تعداد دیکھ کر پائے صبر کو ڈگمگانے دینا نہیں چاہیے۔ بنی اسرائیل کو جب فرعون کے پنجۂ استبداد سے رہائی پانے کے بعد اطراف ملک کے کفار سے جو تعداد میں بہت زیادہ تھے مقابلہ کرنا پڑا تو حضرت موسیٰؑ نے ان کو یہ تلقین کی۔

"موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد چاہو اور صبر و استقامت سے کام لو"

اس تلقین پر عمل کرنے سے بنی اسرائیل کی تمام مشکلات رفع ہوگئیں۔ اور وہ بالآخر خود مختار سلطنت پر قابض ہو گئے اور دوسری قوموں پر حکمران رہے۔

Marfat.com

غزوہ احد کی شکست میں جب مسلمانوں میں افسردگی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ ان کو پچھلے پیغمبروں کی روئداد زندگی سنا کر تلقین صبر فرماتا ہے

"اور کتنے ہی پیغمبر ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے خدا کے طلبگار لڑے پھر خدا کی راہ تکلیف اُٹھا کر انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ ان کے دل بودے ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

اس آیت سے یہ حقیقت اشکارا ہو جاتی ہے کہ صبر بے بسی کا نام نہیں بلکہ دل کی انتہائی قوت اور بلند ہمتی کا نام ہے۔

دنیوی و اُخروی فلاح صابرین کے لیے ہے

جس طرح دنیوی کامرانیاں صبر پر مرتب ہوتی ہیں اسی طرح اُخروی کامرانی جس کا نام حصول جنت ہے، اہل صبر کے لیے ہی ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

"کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی اللہ نے (آزما کر) ان کو الگ نہیں کیا جو لڑنے والے ہیں اور جو ثابت قدم (صابر) ہیں"

(۶) خواہشات نفس پر قابو رکھنا

کامیابی یا ناکامی وقت اپنے نفس پر قابو رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ مگر شخصی اور قومی سنجیدگی اور متانت کے اظہار کا وقت بھی یہی ہوتا ہے دنیا میں رنج اور راحت دونوں ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ضبط نفس یہ ہے کہ رنج میں مایوس و افسردہ نہ ہو اور راحت و خوشی میں فخر و غرور

Marfat.com

کا نشہ سوار نہ ہو خدا نے انسانی فطرت کی اسی کمزوری کو ظاہر فرما کر اس کا علاج صبر و ضبط نفس کو قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

"اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی عنایت کا مزہ چکھائیں اور اس سے چھین لیں تو وہ مایوس اور ناشکر گزار بن جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد اس کو نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ (اب) برائیاں مجھ سے دور ہوئیں اور شادمان اور نازاں ہو جاتا ہے لیکن وہ لوگ جنھوں صبر و ضبط نفس سے کام لیا اور اچھے کام کیے، ان کے لیے معافی اور بڑا انعام ہے"۔

مشکلات میں فرض مذہبی کو نہ بھولنا

صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ مذہبی فرائض و احکام کو مصائب کی شکل میں ادا کیا جائے اور عبودیت پر ثابت قدم رہا جائے

حضورؐ کو حکم ہوا۔

"تو اس کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر صبر کیے رہ (یعنی ثابت قدم رہ) دوسری جگہ حکم ہے"۔

"اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود بھی اس پر قائم رہ (صبر کر)"

جزائے صبر

اہل صبر کے لیے قرآن نے یہ بشارت دی ہے۔

اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

ان کو بہشت کا جھروکہ اس کے بدلے میں ملے گا کہ انہوں نے صبر کیا۔

Marfat.com

غرض نیک کاموں کو باوجود خلاف طبع ہونے کے برابر کرتے رہنا اور بُری باتوں سے باوجود خوشگوار معلوم ہونے کے برابر بچتے رہنا، تکلیف و شفقت کے باوجود خطرناک مقامات میں راست گوئی اور راست کرداری سے باز نہ آنا اور مصائب کو برداشت کرنا اور عمر بھر احکام خداوندی کو پائیداری سے بجالانا اگرچہ یہ صبر کی کٹھن منزل ہے مگر اس کا اجر بھی خدا کے ہاں عظیم الشان ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا۔

"جنت (نفس کی) ناخوشی کے کاموں اور دوزخ نفسانی لذتوں کے کاموں سے گھری ہے"۔

انعام صبر کے یقینی ہونے کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) "اور ثابت قدمی سے کیے جا کیونکہ بے شبہ اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"

(۲) بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب ان کا اجر دیا جائے گا۔

صبر وسیلہ ظفر ہے

اسلام نے مصائب و دشواریوں کے حل کا طریقہ صبر اور دعا تجویز کیا ہے یہود جو سخت دلی اور جذبۂ قربانی نہ ہونے کی وجہ سے اسلام سے کتراتے تھے قرآن نے ان کی بیماری کا علاج اسی کو تجویز کیا فرمایا۔

"صبر اور دعا (نماز) سے مدد لو"

ہجرت کے بعد قریش مسلمانوں سے آمادہ پیکار ہوئے تو مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی "اے مومنو! صبر اور دعا سے مدد لو، بیشک اللہ صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے اور ہم کسی قدر خوف، بھوک اور مال وجان اور پیداوار کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے، بشارت دے دو۔ ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"، ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں اور مہربانیاں ہیں اور وہی ٹھیک راستہ پر ہیں"

سوالات

(۱) صبر واستقامت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم لکھ کر بتاؤ کہ صبر کے مواقع کون سے ہیں اور ان کے لحاظ اس کے مفہوم میں کیا کیا تبدیلی ہوتی ہے۔

(۲) صبر موجب غلبہ ونصرت ہے ان نظریہ کی وضاحت شواہد کی روشنی میں کرو۔

(۳) ضبط نفس سے کیا مراد ہے۔

(۴) صبر کا اجر ضرور ملے گا اس سلسلہ اللہ تعالےٰ کے ارشادات گرامی قرآن میں کیا ہیں۔

Marfat.com

شکرگذاری

شکر کا مفہوم شکر کے لغوی معنی جانور کا کم چارہ کھا کر پورا دودھ دینا ہیں۔ انسانی اصطلاح میں اس کے معنی کسی کے تھوڑے کام کو بہت مان کر اس کا احسان مند ہونا اور اس کی قدر کرنا، قدر کرنے کے تین طریقے ہیں۔ دل[1] سے اس کی عظمت کا اعتراف زبان[2] سے اس کی ثنا اور اعضائے بدن[3] سے اس کی اطاعت و خدمت

شکر کی ضد کفر ہے جس کے لغوی معنی چھپانے کے نہیں، کافر یعنی ناشکر گذار محسن کے احسان کو چھپاتا ہے اور اس کی قدر نہیں کرتا۔ اسلام میں کفر سے بڑھ کر برا لفظ اور کوئی نہیں پس شکر جو اس کا بالمقابل ہے وہ سب سے بڑھ کر اچھا ہوگا قرآن نے بھی ان کو ایک دوسرے بالمقابل استعمال کیا ارشاد ہے۔

(۱) "ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا اب وہ شاکر (شکر گذار ہو) یا کفور (ناشکرا)"

(۲) "اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں بڑھائیں گے اور اگر کفر (ناشکری) کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے"

خدا کے احسانات کی ناقدری کفر اور ناشکر گزاری ہے اس کے مقابلہ میں شکر یہ ہے۔ کہ خدا کی نعمتوں کی قدر پہچان کر اس کے احکام

Marfat.com

کی بجان و دل اطاعت کی جائے اسی لیے اللہ تعالےٰ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا۔

"بے شک ابراہیمؑ دین کی راہ قائم کرنے والا اور اللہ کا فرمانبردار تھا۔ وہ مشرکین میں سے نہ تھا، اللہ کی نعمتوں کا شکر گذار تھا (اسی لیے) اللہ نے اس کو برگزیدہ کیا اور اس کو سیدھی راہ دکھائی"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر گذاری اور شرکت سے بچنا خدا کے نزدیک مقبولیت کا ذریعہ ہے۔

شکر ایمان کی اصل ہے اور خدا بندوں سے صرف انہی دو باتوں کا خواستگار ہے۔ اگر دونوں میں تو اللہ کو بندوں کو عذاب دینے سے کیا مطلب فرمایا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

ناشکر گذاری نافرمانی اور کفر کی جڑ ہے اسی لیے شیطان نے خدا سے جب یہ کہا کہ تیرے بندوں کو نافرمان بنا دوں گا تو یہ کہا تھا۔

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔

اور ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائے گا۔

شکر گذاری کا تعلق جب زبان سے ہو تو اس کا نام اصطلاح قرآن

Marfat.com

میں حمد ہے، اسی لیے حمد خداوندی کے سلسلہ میں اُن کامل صفات الٰہی کا ذکر ہے۔ جو احسانوں اور نعمتوں کی محرک اول ہیں اور اسی لیے قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے، جو تمام قرآن کا خلاصہ اور حمد کا اصل الاصول ہے، کیا گیا۔ خدا کی حمد کا ترانہ دنیا کا ذرہ ذرہ گا رہا ہے ارشاد ہے۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اُسی کی حمد آسمانوں میں اور زمین پر ہے۔

فرشتے حمد میں مصروف ہیں، فرمایا "جو (فرشتے) عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور جو (فرشتے) اُس کے گرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں"۔

اسی حمد و شکر کا مطالبہ انسان سے ہے، فرمایا "اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کر"، حضورؐ سے جو کثرت سے دعائیں کھانے، پینے، پہننے، سوئے، جاگنے، نئے پھل کھانے مسجد میں جانے، نکلنے اور اسی طرح طہارت خانہ میں جانے اور نکلنے وغیرہ کے بارے میں مروی ہیں وہ سب خدا کی نعمتوں کے شکرانہ ادا کرنے کیلئے ہیں

قرآن میں کہیں خدا کی قدرت و حکمت کی نعمتوں پر شکر بجا لانے کی ہدایت کی گئی تو کہیں خود انسان کی خلقت جسمانی کا بیان کر کے شکر کرنے کی دعوت دی گئی۔

دنیا میں بندوں کے ساتھ ادائے شکر کا طریقہ ایک یہ بھی کہ محسن کے احسان کے برابر اُسکے ساتھ بھی احسان کیا جائے۔ لیکن چونکہ خود

Marfat.com

خدائے تعالیٰ کو اس قسم کے شکریہ کی حاجت نہیں اس لیے اس کی صورت خدا کے احسان کے بارے میں یہ ہے کہ اُس قسم کا احسان خدا کے دوسرے بندوں کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے۔

وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ — اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا تو بھی احسان کر

اسی کو قرآن نے کہیں قرضہ دینے کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا — کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے

وجوب شکریہ کا سبب

خدا نے بار بار شکر کا مطالبہ اس وجہ سے بھی کیا ہے کہ ہم کہیں ان نعمتوں کو اپنا حق واجب نہ سمجھنے لگیں حالانکہ وہ صرف خدا کی طرف سے ہمارے استحقاق کے بغیر عطیہ و بخشش ہیں۔

نیز اس وجہ سے بھی شکر کا مطالبہ کیا گیا کہ نعمت پانے والا انسان اپنے لیے دوسروں پر فوقیت اور برتری نہ سمجھے اور ان کو اپنے کسب اور علم و ہنر کا نتیجہ قرار نہ دے جیسا کہ قارون نے کیا تھا کیونکہ یہی غرور ترقی کر کے بخل اور ظلم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس لیے ارشاد ہوا۔

"اور جو تم کو خدا نے دیا ہے اس پر اترا دُ نہیں، اللہ کسی اترانے

والے بڑائی مارنے والے کو پیار نہیں کرتا جو خود بخیل ہیں اور لوگوں کو بخیل بننے کی تلقین کرتے ہیں اور جو (اللہ سے) منہ موڑے گا تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں) اللہ تو غنی اور خوبیوں والا ہے۔ خدا نے بیشمار نعمتیں انسان کو مرحمت فرمائی ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ انسان اپنے محسن کی قدر پہچانے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ جان و مال سے اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ادا کرے، فرمایا۔

وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

اور اُس نے تم کو پاک چیزیں روزی کیں تاکہ تم شکر ادا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

"اللہ نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ اُس میں (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن میں) اُس کے فضل و کرم کی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو"

لیکن مقام افسوس ہے کہ خدا کی اتنی نعمتوں اور شکر کی اتنی ہدایتوں کے باوجود اکثر لوگ اس سے غافل ہیں خود قرآن ان کا شاکی ہے ارشاد ہے۔

"اللہ نے تو انسان پر بڑے بڑے فضل کیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے"

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

Marfat.com

"ہم نے تم کو زمین میں قوت بخشی اور اس میں تمہارے لیے بسر اوقات کے بہت سے ذریعے بنائے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ ناشکری پر ایک جگہ محبت آمیز غصہ کا بھی اظہار فرمایا گیا ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ — مارا جائے! یہ انسان کتنا بڑا ناشکرا ہے

حقیقت شکر

عموماً لفظی طور پر الحمد للہ کہہ لینے کو لوگ ادائے شکر سمجھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں، حقیقتاً شکر وہ ہے جو دل کے لطیف احساس منت پذیری کے ماتحت محسن کی عظمت و جلال کو دل میں جگہ دے کر ادا کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو محض زبان سے شکر ادا کرنا ایک لفظ بے معنی ہے۔ جو بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں۔ اسی وجہ سے آل داؤد سے خدا نے اپنی نعمتوں کی یاد دہانی کرا کر عملی شکر کا مطالبہ کیا ہے۔ فرمایا۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ — اے داؤد کے گھر والو شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو اور میرے بندوں میں سے شکر گذار تھوڑے ہیں۔

اور اسی لیے حضرت سلیمان خدا سے اس توفیق کے طلبگار ہیں۔

"اے رب! مجھے نصیب کر کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیے اور میرے ماں باپ پر کیا ہے شکر ادا کروں اور وہ نیک کام کروں جو تجھے پسند ہو"

شکر مزید نعمت کا سبب ہے

بندہ جسقدر شکر گذاری میں صدق نیت

اور صدق عمل سے سرگرم ہوگا اُسی قدر خدا کی طرف سے نعمتوں کی فراوانی ہوتی جائے گی، فرمایا۔

"اگر تم شکر گذاری کرو گے تو میں تم کو اور بڑھاؤں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے"

حضورؐ نے باہمی انسانوں میں ایک دوسرے کے احسان کی شکرگذاری کو خدا کی شکر گذاری کا معیار قرار دیا ہے ارشاد ہے

مَنْ لَا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللّٰہَ۔	جو انسانوں کا شکریہ ادا نہ کرے گا۔ وہ خدا کا بھی شکریہ ادا نہ کرے گا

سوالات

(۱) شکر کا مفہوم لغوی اور اصطلاحی لحاظ سے قلمبند کرو۔
(۲) ثابت کرو کہ شکر ایمان اور ناشکری کفر کی جڑ ہے۔
(۳) شکر کا تعلق کن تین چیزوں سے ہے۔
(۴) شکر کے واجب ولازم ہونے کی وجہ کیا ہے۔
(۵) حقیقی شکر کونسا ہے جو درگاہ خداوندی میں مقبول ہے۔

تمت بالخیر

محبوب الٰہی
جامعہ شرقیہ لاہور

Marfat.com

نشانِ منزل اور میل کے پتھر

بارِ عایت

ملنے کا پتہ

ملک نذیر احمد پروپرائٹر تاج بک ڈپو

اُردو بازار لاہور

Marfat.com

منصب رسالت

136

تلخیص

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد پنجم

از

پروفیسر محبوب الٰہی پرنسپل جامعہ شرقیہ لاہور

و

آفتاب بیدار نخجت ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل

پرنسپل دارالعلوم السنہ شرقیہ لاہور

ناشر

ملک نذیر احمد پروپرائیٹر۔ تاج بکڈپو اردو بازار لاہور

اردو مرکز

قیمت -/2/8

نخجت روڈ۔لاہور

Marfat.com